باسمہٖ تعالیٰ

قتلِ مُرتد

غلام اور لونڈیاں

اور

یتیم پوتے کی وراثت

ناشران: ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان آزاد پیدا ہوتا ہے، لیکن جو لوگ، کسی نہ کسی طرح، دولت اور اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں وہ انسانوں کی آزادی چھین کر، انہیں اپنا غلام اور محتاج بنا لیتے ہیں۔ قرآن کریم اس لئے آیا کہ وہ انسانوں کی چھنی ہوئی آزادی، انہیں واپس دے۔ نبی اکرمؐ نے قرآن کریم کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا محکوم اور محتاج نہیں تھا اور سوائے ان حدود کے جو اللہ نے انسانوں پر عائد کی تھیں، اور جن سے مقصد انسان کی ذات کی نشوونما اور انسانی معاشرہ میں امن وسلامتی کا قیام تھا، کسی پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد معاشرہ کا یہ نقشہ بدل گیا اور دولت اور اقتدار پھر انسانوں کے ہاتھ میں آ گئے جس سے ارباب قوت و ثروت نے، انسانوں کو اپنا محکوم اور محتاج بنا لیا۔ محکوم اور محتاج ہی نہیں بلکہ غلام (SLAVES)۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایک ایک خلیفہ کے حرم میں ہزاروں لونڈیاں ہوتی تھیں۔ دارالخلافہ میں باقاعدہ منڈیاں تھیں جن میں انسان نیلام ہوتے تھے۔ مردوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور عورتوں کو لونڈیاں۔ اور ظرفہ تماشا یہ کہ ارباب مذہب نے اس کے متعلق فتویٰ دے رکھا تھا کہ یہ سب کچھ "شریعت" کی رُو سے جائز ہے۔

یہ کچھ ارباب حکومت کی طرف سے ہوتا تھا۔ دوسری طرف ارباب شریعت تھے، جن کے اقتدار کا یہ عالم تھا کہ جس شخص نے ان سے کسی معاملہ میں ذرا سا اختلاف کیا، انہوں نے کہہ دیا کہ وہ مرتد ہو گیا۔ اور چونکہ مرتد کی سزا قتل ہے، اس لئے اسے تہ تیغ کر دیا۔ ہماری تاریخ کے صفحات ان خونی داستانوں سے رنگین ہیں۔

تشکیل پاکستان کے بعد، جب اس کے امکانات روشن ہوئے کہ یہاں اسلامی قوانین رائج ہوں گے تو بعض لوگوں نے یہ سوال کیا کہ کیا یہاں غلامی کو رائج کیا جائے گا اور مذہبی اختلاف پر مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا؟ اس کے جواب میں ہمارے قدامت پرست طبقہ کے نمائندہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے نہایت شد و مد سے لکھا کہ جب یہاں اور قوانین شریعت نافذ ہوں گے تو غلامی اور قتل مرتد کے متعلق "احکام شریعت" کیوں رائج نہیں ہوں گے؟

ان کے ان مضامین کے جواب میں طلوع اسلام میں تفصیلی مقالات لکھے گئے جن میں بتایا گیا کہ غلامی اور قتل مرتد قرآن کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہیں اس لئے اسلام میں ان کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ ان مضامین کی اہمیت کے پیش نظر انہیں بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ وہ کتاب مدت سے نایاب تھی۔ چنانچہ اسے، بہ نظر ثانی، دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصد ارباب فکر و نظر کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ہمارے قدامت پرست طبقہ کے

نزدیک "اسلامی قوانین" سے مُراد کیا ہے اور اگر پاکستان میں وہ قوانین نافذ کئے گئے جنہیں یہ حضرات "اسلامی" قرار دیتے ہیں، تو ملک کا نقشہ کیا ہوگا اور دنیا کے سامنے ہماری پوزیشن کیا؟ واضح رہے کہ یہ دو عنوان محض بطور مثال سامنے لائے گئے ہیں، ورنہ جن امور کو یہ حضرات "اسلامی قوانین" قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام پر آئے دن اعتراضات ہوتے رہتے ہیں۔

جس کتاب کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں میرا مقالہ "یتیم پوتے کی وراثت" سے متعلق تھا۔ ان حضرات کے "قانونِ شریعت" کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی بچے کا باپ اس (بچے) کے دادا کی زندگی میں وفات پا جائے تو اس یتیم پوتے کو دادا کی وراثت سے حصّہ نہیں مل سکتا۔ طلوعِ اسلام نے اس کی بھی وضاحت کی کہ یہ فیصلہ سراسر قرآن کریم کے خلاف ہے۔ للہ الحمد کہ اب ملک کے قانون نے یتیم پوتے کے حقِ وراثت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس بنا پر اس مقالہ کو درجِ کتاب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ہمیں امید ہے کہ اربابِ بصیرت ان مقالات کو اسلامی اور انسانی نقطۂ نگاہ سے مفید پائیں گے۔ طلوعِ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ کوئی قانون جو قرآن کریم کے خلاف ہو، وہ کبھی اسلامی قانون نہیں قرار پا سکتا۔ اور یہی وہ دعوت ہے جس کی بنا پر اس کی اس قدر مخالفت ہوتی ہے۔ والسلام

لاہور - جون - ۱۹۶۲ء

ادارۂ طلوعِ اسلام

مجوّزہ شریعت بل کے پیشِ نظر "یتیم پوتے کی وراثت" کا مضمون دوبارہ شاملِ کتاب کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی علامہ محمد اسلم جیراجپوری اور علامہ تمنا عمادیؒ کے اس موضوع پر مقالات بھی شاملِ کتاب کر دیئے گئے ہیں۔

دسمبر ۱۹۸۶ء

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (ادارہ)

قتلِ مرتد

محشرستانِ "حکومتِ الٰہیہ" کا ایک خونچکاں منظر!

قرآن نے انسان اور کائنات کی دیگر اشیاء میں ایک بنیادی فرق بتایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اشیائے کائنات ایک لگے بندھے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ انھیں قطعاً اس کا اختیار نہیں کہ وہ جی چاہے تو اس قانون کے مطابق سرگرم عمل رہیں اور جی چاہے تو کسی اور روش پر چل نکلیں۔ پانی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کبھی نشیب کی طرف جائے اور کبھی جی میں آئے تو فراز کی طرف بہنے لگ جائے۔ آگ کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ کبھی حرارت دینے اور کبھی ٹھنڈک پہنچانے لگ جائے۔ اگر کبھی زمین اپنے راستے سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹ جائے۔ اگر سورج اپنی رفتار میں ایک ثانیہ کی بھی تبدیلی پیدا کرلے۔ اگر ہوائیں اپنے رخ کو طرفۃ العین کے لئے خلافِ قاعدہ بدل لیں۔ غرضیکہ اس محیر العقول کارگہِ عالم کا چھوٹے سے چھوٹا پرزہ بھی اپنے نظام سے سرتابی اختیار کرلے تو یہ عظیم الشان سلسلۂ کائنات درہم برہم ہوجائے۔ زندگی اور اس کی ممکنات اس بنا پر قائم ہیں کہ خارجی کائنات کی ہر شے ایک خاص قانون کے ماتحت چل رہی ہے۔ سبح للّٰہ ما فی السمٰوٰت والارض۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اللہ کے قانون کے مطابق سرگرمِ سعی وعمل ہے۔ للّٰہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض۔ ہر شے اس کے حکم کے سامنے سجدہ ریز ہے کل لہٗ قانتون۔ کسی کو اس کے قانون سے مجالِ سرتابی اور یارائے سرکشی نہیں۔

انسانی اختیار وارادہ جہاں تک ضابطۂ زندگی کا تعلق ہے، انسان کو بھی اسی طرح قانونِ ہدایت دیدیا گیا جس طرح دیگر اشیاءِ کائنات کو۔ لیکن (اور یہ لیکن بہت اہم ہے) انسان کو اس کے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ چاہے تو اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے اسے جھٹلا کر کوئی اور راہ اختیار کرلے۔ "آدم" کو اس "دنیا" میں بھیجنے کے ساتھ ہی کہدیا گیا کہ

فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (پ۱)

جب میری طرف سے تمہارے پاس ضابطۂ ہدایت آئے تو جو اس قانون ہدایت کی اتباع کرے گا اسے نہ خوف ہوگا نہ حزن۔

ان کے برعکس

والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون (پ۱)

اور جو لوگ اس ضابطۂ ہدایت سے انکار کرینگے ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں وہ رہیں گے۔

یہ دونوں راہیں بالکل واضح ہیں۔ اس کے بعد انسان پر کوئی جبر نہیں کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے۔ وھدینٰہ النجدین (۹۰/۱۰) "ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں"۔ اسے گوشِ ہوش اور دیدۂ اعتبار عطا کر دیئے ہیں (فجعلنٰہ سمیعًا بصیرا۔ ۷۶/۲) اسے راستہ دکھا دیا ہے (انا ھدینٰہ السبیل۔ ۷۶/۳) اس کے بعد

اما شاکرا و اما کفورا (۷۶/۳)

وہ چاہے تو اسے اختیار کرے۔ چاہے اس سے انکار کر دے

اس باب میں اس پر کوئی زبردستی نہیں۔ جبر نہیں۔ استبداد نہیں۔

ضابطۂ خداوندی کے مطابق راہ اختیار کرنے کا نام قرآن کی اصطلاح میں ایمان ہے اور اس کے خلاف روشِ زندگی کا نام کفر ہے۔ ایمان کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ضابطۂ ایمان کے اپنے تقاضے ہیں۔ جو اس راہ کو اختیار کرے گا اس کیلئے

ایمان اور کفر کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں

ان ضوابط کی پابندی لازمی ہوگی۔ لیکن اس باب میں کوئی زبردستی نہیں کہ انسان ضابطۂ ایمان کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے یا ضابطۂ کفر کے مطابق۔ بالفاظِ دیگر انسان کو یہ پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ ایمان اختیار کرے یا کفر۔ یعنی ایمان اور کفر کے معاملے میں انسان پر کوئی زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ یہ قرآن کا صاف، واضح اور غیر مبہم فیصلہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر (۱۸/۲۹)

ان سے کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کھل کر سامنے) آگیا۔ اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔

"فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر" ضابطۂ قرآنی کا عمودی فیصلہ ہے جس کی بنیادوں پر اس کی تعلیم کی تمام عمارت اٹھتی ہے۔ جو ایمان کی راہ اختیار کرے گا وہ اس نظامِ خداوندی کے ثمرات و برکات سے فیض یاب ہوگا۔ جو اس کے خلاف روش پسند کرے گا وہ اس کے عواقب و آلام سے دوچار ہوگا۔ فمن اھتدی فلنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا (۳۹/۴۱) "جو راہِ ہدایت پر چلے گا تو اس کا فائدہ خود اس کو پہنچے گا اور جو گمراہ ہوگا تو اس گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا"۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسانوں کو زبردستی ایک خاص راہ (ضابطۂ ہدایت) پر چلانا مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی دیگر اشیائے کائنات کی طرح اختیار و ارادہ سے معطل کر کے، اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور پیدا کر دیتا۔ خدا کے لئے یہ کیا مشکل تھا لیکن خدا کی مشیت نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا پروگرام ہی یہ تھا کہ انسان کو اختیار و ارادہ دیدیا جائے۔ اختیار و ارادہ دیکر اسے پھر زبردستی ایک خاص روش کا پابند بنانا مقتضائے خدائے را۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہؐ سے کہہ دیا کہ تو اگر یہ چاہتا ہے کہ تمام لوگ زبردستی مسلمان بنا دیئے جائیں تو یہ چیز مشیتِ خداوندی کے خلاف ہے۔ اگر اسے یہی مطلوب ہوتا کہ انسان زبردستی مومن بنا دیئے جائیں تو وہ انہیں اختیار و ارادہ عطا ہی نہ کرتا۔

ولو شآء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعًا۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (۱۰/۹۹)

اگر تیرے رب کی مشیت میں ہوتا تو روئے زمین کے تمام باشندے ایمان لے آتے۔ (لیکن اللہ نے انھیں مجبور نہیں پیدا کیا)
اس لئے تو کیا لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں۔

کفر اور ایمان کے معاملے میں قطعاً زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ اس میں جور و استبداد کو کوئی دخل نہیں۔ اللہ نے انسان کو آنکھیں عطا کر دیں اور باہر سورج کی روشنی عام پھیلا دی۔ اب جس کا جی چاہے آنکھیں کھلی رکھ کر دیکھ بھال کر چلے اور جس کا جی چاہے آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں گر جائے۔

قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا۔ وما انا علیکم بحفیظ (۶/۱۰۴)

(ان سے کہدو کہ) تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں۔ سو جو کوئی اس روشنی میں اپنی آنکھوں سے کام لیتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور جو آنکھیں بند کر کے چلے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ میں تم پر نگہبان نہیں مقرر کیا گیا (کہ تمہیں زبردستی ایک خاص راہ پر چلاتا رہوں۔)

اس سے ذرا آگے چل کر فرمایا:

ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظاً وما انت علیھم بوکیل (۶/۱۰۷)

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے تجھے ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا۔ اور نہ تو ان کا وکیل ہے۔

سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی (جن کا تفصیلی ذکر آگے چل کر آتا ہے) اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ تمہیں داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے اور کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دو اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس پر مامور کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو اور نہ تمہاری ذمہ داری اور جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمہارے حلقۂ نبوت میں کوئی شخص باطل پر نہ رہ جائے۔ . . . . . اگر فی الواقعہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہیں بنا سکتا تھا؟[1] (صـ۵۵۰)

حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں قرآن نے ایک ایسی نہج زندگی پیش کی ہے جو انسانیت کی تاریخ میں سنگِ میل (LAND MARK) کا حکم رکھتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب ذہنِ انسانی عہدِ طفولیت میں تھا تو اس وقت ایسے مواقع بھی آجاتے تھے جب اسے ورطۂ

حتیٰ کہ معجزات بھی نہیں

حیرت میں ڈال کر سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ یعنی خوارقِ عادت (یا معجزات) کی رو سے ذہن پر اثر ڈال کر بات منوانے کی کوشش۔ لیکن اس نے کہا کہ اب انسان اپنے عہدِ شعور میں آپہنچا ہے اس لئے اب معجزات کے ذریعے سے اس سے بات نہیں منوائی جائے گی۔ اب ہر بات دلیل و برہان اور بصیرت و

---

[1] ان تصریحات کو ذرا غور سے دیکھ لیجئے کیونکہ آگے چل کر یہی چیز بحث کا محور بنے گی۔

فراست کی رو سے تسلیم کرائی جائے گی۔ چنانچہ نبی اکرمؐ سے ارشاد ہے کہ

لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين۔ ان نشأ ننزل عليهم من السماء اٰية فظلت اعناقهم لها خاضعين (۲۶/۳)

تو تو شاید اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ (اگر ہم چاہتے کہ یہ زبردستی ایمان لے آئیں تو ہمارے لئے یہ کونسا مشکل کام تھا کہ ہم آسمان سے ایک نشان نازل کر دیتے تو اس کے سامنے ان سب کی گردنیں جھک جاتیں۔

لیکن یہ ذہنی استکراہ ہو جاتا۔ اس لئے قرآن نے واضح الفاظ میں کہدیا کہ نبی اکرمؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ اب معجزات کا دور ختم ہو گیا[1]۔ اب ہر دعوے کا ثبوت، دلائل و براہین سے پیش کیا جائے گا۔ اب دعوت الی اللہ علی وجہ البصیرت ہو گی۔

قل هذه سبيلي۔ ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني۔۔۔۔۔۔ (۱۲/۱۰۸)

ان سے کہدو کہ یہ ہے میرا راستہ۔ میں اور میرے متبعین علیٰ وجہ البصیرت خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ہماری دعوت غور و فکر کی دعوت ہے۔ تدبر و تفکر کی دعوت ہے۔ ہماری اپیل عقل و بصیرت اور فہم و فراست سے ہے۔ اس میں کسی قسم کے جور و اکراہ کو دخل نہیں۔ ایمان کے معاملے میں نہ ذہنی استکراہ کو کچھ دخل ہو گا نہ طبعی قوت (PHYSICAL FORCE) کو کوئی واسطہ۔ قرآن کفر و ایمان کے معاملے میں طبعی قوت (استبداد) کے استعمال کو انسانیت کے خلاف سنگین جرم قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سرخیل طائفۂ مستبدین، یعنی فرعون مصر کے خلاف جو فرد جرم اس نے مرتب کی ہے اس میں واضح طور پر جتا دیا ہے کہ وہ کفر و ایمان کے معاملے میں استبداد سے کام لیتا تھا۔ چنانچہ۔۔۔۔۔ جب اس کے دربار کے ساحرین حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تو اس نے گرج کر کہا کہ "امنتم به قبل ان اذن لكم (۲۰/۷۱) کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آؤ گے؟" تم نے کفر و ایمان کے معاملے میں اپنے فیصلے ہی کو قولِ فیصل سمجھ لیا اور نہیں دیکھا کہ اس باب میں میری منشاء کیا ہے؟ اچھا فسوف تعلمون (۲۶/۴۹) نہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم اجمعین (۲۶/۴۹)[2] تمہارے ہاتھوں اور پاؤں میں الٹی ہتھکڑیاں ڈلواتا ہوں (یا انہیں کٹواتا ہوں) اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھاتا ہوں"۔ یہ تھا وہ فرعونی حکم جسے قرآن نے اُس کے سنگین جرائم کی فہرست میں گنوایا ہے۔ اور یہ ایک فرعون مصری پر کیا موقوف تھا۔ تمام فراعنہ ہر اور نمارید عصر اپنے اپنے وقتوں میں یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ قوم شعیبؑ نے حضرت شعیبؑ سے یہی کہا تھا کہ "ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے باہر نکال دیں گے: اولتعودن فی ملتنا (۷/۸۸)" یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہو گا"۔ یہ روش، ہر رسولؑ کے خلاف اختیار کی گئی۔

وقال الذين كفروا لرسلهم لنخرجنكم من ارضنا اولتعودن فى ملتنا (۱۴/۱۳)

ارباب کفر نے اپنے رسولوں سے یہی کہا کہ یا ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دینگے یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آجانا ہو گا۔

---

[1] اس کی تفصیل معراج انسانیت (مصنفہ پروفیسر صاحب) باب "معجزات" میں دیکھئے۔

[2] قطع ید کے معنی ہاتھ روک دینا (ہتھکڑیاں ڈالنا) بھی ہو سکتا ہے۔

یعنی اگر یہاں رہنا چاہو تو ہمارے مذہب میں پھر سے واپس آجاؤ۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے۔

قرآن نے اممِ سابقہ کی فہرستِ جرائم میں اس جرم کو نمایاں حیثیت دیکر یہ واضح کر دیا کہ کفر اور ایمان کے معاملے میں جور و استبداد انسانیت کے خلاف بدترین جرم ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس باب میں انسان کو اختیار و ارادہ دیا ہے۔ اب اس کے اس اختیار و ارادہ کو سلب کر لینا، خدا کے فیصلے کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت اور شرفِ آدمیت کا سلب و نہب ہے۔ اس نے اس باب میں یہاں تک تاکید کر دی کہ

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ۔ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانھم قوم لا یعلمون (9/6)

اگر (جنگ کی حالت میں) ان مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

حالتِ جنگ میں بھی زبردستی نہیں کی جا سکتی

یعنی حالتِ جنگ میں بھی کسی کو بہ جبر و اکراہ مسلمان نہ بناؤ۔ مشرک کو قرآن سناؤ۔ پھر اسے اس کے مامن و مسکن تک بحفاظت پہنچا دو۔ اور اس طرح اسے مہلت دو کہ وہ تمہاری سنائی ہوئی بات (قرآن) پر غور و فکر کرے اور اس کے بعد اگر اس کا دل جھکے تو اس پر ایمان لے آئے۔ بلا علم و بصیرت ایمان لانے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے کہ ایمان کا تعلق یکسر انسان کے قلب سے ہے۔ جب تک انسان کا قلب مطمئن نہیں ہوتا اس میں ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی فتوحات سے متاثر ہو کر ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے وہ انہیں بھی کھلے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ اپنے آپ کو مؤمن مت کہو ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (49/14) اسلئے کہ ہنوز ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا۔ اور کفر ہو یا ایمان، اس کا تعلق اعماقِ قلب سے ہے۔ یہ اقرار جب تک دل کی گہرائیوں سے نہیں پھوٹتا اقرار کہلا ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے کہدیا کہ اگر کسی شخص سے زبردستی کفر کا اقرار لے لیا جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس کا اس قسم کا اقرار اُسے کافر نہیں بنا دیتا۔ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (16/106) جسے کفر پر مجبور کر دیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا۔

لا اکراہ فی الدین

لہٰذا قرآن نے سمائے دنیا پر نور کے حروف سے لکھدیا کہ

لا اکراہ فی الدین۔ قد تبین الرشد من الغی۔ (2/256)

دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں۔ ہدایت اور گمراہی ایک دوسرے سے متمیز ہو چکی ہے۔

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ جس کا جی چاہے ایمان اختیار کرے، جس کا جی چاہے کفر کی راہ پر چلے۔ لست علیھم بمصیطر۔ تم ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے کہ انہیں زبردستی مسلمان بناؤ۔

یہ ہے قرآن کی تعلیم جس میں کوئی ابہام نہیں، کسی قسم کی گنجلک نہیں۔ کوئی پیچیدگی نہیں۔ کہیں ذرا سا شک و شبہ نہیں۔ لیکن قرآن کی اس قدر کھلی کھلی اور واضح تعلیم کے خلاف ہمارے مولوی کا مذہب یہ ہے کہ

مُلا کا مذہب

من بدل دینہ فاقتلوہ (روایت)

جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔

اور اس مذہب کے متعلق، امیر جماعت اسلامی، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا ارشاد ہے کہ کامل بارہ سو برس تک یہ امت کا متفق علیہ مسئلہ رہا ہے۔ چنانچہ وہ "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" میں لکھتے ہیں:

> یہ بات اسلامی قانون کے کسی واقف کار آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام میں اس شخص کی سزا قتل ہے جو مسلمان ہو کر پھر کفر کی طرف پلٹ جائے۔ اس باب میں پہلا شک جو مسلمان کے اندر پیدا ہوا وہ انیسویں صدی کے دور آخر کی تاریک خیالی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس سے پہلے کامل بارہ سو برس تک یہ تمام امت کا متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور ہمارا پورا دینی لٹریچر شاہد ہے کہ قتل مرتد کے معاملے میں مسلمانوں کے درمیان کبھی دو رائیں نہیں پائی گئیں۔ (ص۸)

مودودی صاحب کے ارشادات

یعنی مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق لا اکراہ فی الدین (دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں) کا ارشاد تو انیسویں صدی کے دور آخر کی "تاریک خیالی" کا نتیجہ ہے۔ اور دین بدلنے والے کو سولی چڑھا دینے (لاصلبنکم) کا "فرعونی حکم" (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) اسلام کے درخشندہ عہد کی یادگار ہے۔

اے محمد گر قیامت را برآری سر زخاک سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں!

کفر اور ایمان کے معاملے میں قرآن نے جو بنیادی تعلیم پیش کی ہے اسے آپ تفصیلی طور پر گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ وہ اس باب میں ذرا سا بھی جبر و اکراہ گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ دین بدلنے والے کو حوالۂ تیغ کر دے۔ لیکن مودودی صاحب نے اپنی "تحقیق" کا آغاز اس عنوان سے کیا ہے

حکمِ قتلِ مرتد کا ثبوت قرآن سے

یقیناً ہر وہ شخص جو دین میں قرآن کو حجت مانتا ہے، اس عنوان کو دیکھ کر رک جائے گا۔ کیونکہ ایک طرف وہ دیکھ چکا ہے کہ دین کے معاملے میں قرآن کس قدر وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا اکراہ نہیں۔ اور دوسری طرف اسے یہ عنوان دکھائی دیتا ہے کہ قرآن مرتد کے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا یہ مقام فی الواقعہ بڑے غور و فکر سے دیکھنے کا ہے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں:

> ذرائع معلومات کی کمی کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ہے کہ شاید اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہ ہو، اور بعد کے "مولویوں" نے یہ چیز اپنی طرف سے اس دین میں بڑھا دی ہو، ان کا اطمینان دلانے کے لئے میں مختصراً اس کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔ (ص۹)

ہم اس بات کو ذرا آگے چل کر بیان کریں گے کہ قرآن کی ایسی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف "مولویوں" نے کس مقصد کیلئے قتلِ مرتد کا حکم وضع کیا اور اسے کس مطلب کے لئے اسلام میں داخل کیا۔ اس وقت صرف یہ دیکھئے کہ

مودودی صاحب کی قرآنی دلیل

مودودی صاحب اس باب میں قرآن سے کیا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ دیکھئے اور ان کی جرأت اور جہالت کا ماتم کیجئے۔ فرماتے ہیں:

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ونفصل الآیات لقوم یعلمون۔ وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون (التوبہ۔ ۱۲-۱۱)

پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کر رہے ہیں جو جاننے والے ہیں۔ لیکن اگر وہ عہد (یعنی قبول اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبان طعن دراز کریں تو پھر کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید کہ وہ اس طرح باز آجائیں

مودودی صاحب نے قرآن سے صرف یہی آیت پیش کی ہے۔ کوئی اور آیت اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کی۔ اس آیت کا مندرجۂ صدر ترجمہ بھی انہی کا ہے۔ اب اس کی تفسیر بھی انہی کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

یہ آیت سورۂ توبہ میں جس سلسلے میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ۹ھ میں حج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اعلان برأت کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس اعلان کا مفاد یہ تھا کہ جو لوگ اب تک خدا اور رسول سے لڑتے رہے ہیں اور ہر طرح کی زیادتیوں اور بدعہدیوں سے خدا کے دین کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے ہیں ان کو اب زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس مدت میں وہ اپنے معاملے پر غور کرلیں۔ اسلام قبول کرنا ہو تو اسلام قبول کرلیں معاف کردیئے جائیں گے۔ ملک چھوڑ کر نکلنا چاہیں تو نکل جائیں مدتِ مقررہ کے اندر ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد جو لوگ ایسے رہ جائیں گے جنھوں نے نہ اسلام قبول کیا ہو نہ ملک چھوڑا ہو ان کی خبر تلوار سے لی جائے گی۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا کہ "اگر وہ توبہ کرکے ادائے نماز و زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد وہ پھر اپنا عہد توڑ دیں تو کفر کے لیڈروں سے جنگ کی جائے گی۔" یہاں عہد شکنی سے مراد کسی طرح بھی سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں لی جاسکتی بلکہ سیاقِ عبارت صریح طور پر اس کے معنی "اقرارِ اسلام سے پھر جانا" متعین کردیتا ہے اور اس کے بعد فقاتلوا ائمۃ الکفر کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ تحریک ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے۔ (ص ۹)

مودودی صاحب نے جب آیۂ مندرجہ صدر کی یہ تفسیر اپنے مریدوں کے حلقے میں بیان فرمائی ہوگی تو یقیناً وہ جھوم اٹھے ہوں گے اور اس کے بعد فضا میں اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی ہوں گی:

ایک ـــ دیکھا! حضرت صاحب نے آج کیسا انوکھا نکتہ بیان فرمایا ہے۔ ہم ہر روز اس آیت کی تلاوت کر کے آگے بڑھ جاتے تھے لیکن کبھی ذہن اس طرف نہیں گیا کہ اس سے قتلِ مرتد کا حکم بھی نکل سکتا ہے۔

دوسرا ـــ اجی صاحب ایک ہم ہی پر کیا موقوف ہے۔ تیرہ سو برس سے مسلمان اس آیت کو پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ سینکڑوں تفسیریں لکھی جا چکی ہیں۔ ہم نے آجتک کسی جگہ یہ نکتہ دیکھا ہی نہیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!!

تیسرا ـــ بھئی یہ باتیں کتابوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ اس کے لئے خدا اور رسول کا مزاج شناس ہونا ضروری ہے۔ یہ چیزیں علم لدنی سے ملتی ہیں۔ ہر ایک کے نصیب میں کہاں۔

لیکن آپ ارادتمندوں کے اس حلقے سے ذرا باہر نکل کر عقل و بصیرت کی روشنی میں غور کیجئے کہ کیا اس آیت کو کسی طرح بھی معنی پہنائے جا سکتے ہیں! یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اُس قرآنی مملکت کی تکمیل ہو رہی تھی جس کی بنیاد بائیس سال پہلے نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے اُسی سرزمین میں (نہایت بے سروسامانی کی حالت میں) رکھی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اسلامی مملکت میں مسلم اور غیر مسلم دونوں آباد ہوں گے۔ مسلمانوں سے کسی قسم کے معاہدے کی ضرورت نہیں تھی ـــ یہ مملکت خود انہی کی قائم کردہ تھی ..... البتہ غیر مسلموں سے معاہدہ ضروری ہے کہ

وہ حدودِ مملکت کے اندر امن و سلامتی سے رہیں گے جب تک وہ اس معاہدے پر قائم رہیں گے انہیں ہر قسم کی حفاظت (جان مال آبرو۔ معابد کی حفاظت) کی ضمانت دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ عہد شکنی کر کے مملکت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں تو ان سے لامحالہ جنگ کی جائے گی۔ یہ وہ اصول ہے جس کی تصریح قرآن نے متعدد مقامات پر کی ہے۔ یہی صورت ۹ھ میں کفارِ مکہ کے معاملے میں پیش آئی۔ قرآن نے اعلان کر دیا کہ ان کے لئے

آیت کا صحیح مفہوم

دو صورتیں ہیں:

(i) یہ لوگ مسلمان ہو کر مملکتِ اسلامیہ کا جزو بن جائیں۔

(ii) یا غیر مسلم رہتے ہوئے امن و سلامتی کے معاہدے پر کاربند رہیں۔

لیکن (iii) اگر یہ نہ تو مسلمان ہوں اور نہ ہی ..... معاہدے کی پابندی کرتا تو اس صورت میں اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ ان سے جنگ کی جائے۔ بات بالکل صاف ہے۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

(ا) اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو تمہارے دین کے بھائی بن جائیں گے۔ لیکن

(ب) " اسلام لانے کے بعد " اگر پھر " اپنے اقرارِ اسلام " سے پھر جائیں (یعنی مرتد ہو جائیں) تو ان سے جنگ کی جائے۔

قرآن کے الفاظ یہ ہیں وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم۔ مودودی صاحب اس کے معنی بتلاتے ہیں " اگر وہ اسلام لانے کے بعد اپنے اقرارِ اسلام سے پھر جائیں " یعنی ان کے نزدیک عھدھم کے معنی ہیں " کفار کا

اقرارِ اسلام" اور نکثوا أیمانهم[1] کے معنی سیاسی معاہدات کو توڑنا نہیں بلکہ مرتد ہو جانا ہے۔ ہم مودودی صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ سارے قرآن میں کوئی ایک جگہ بھی ایسی دکھا دیں جہاں عهد هم یا أیمانهم کے معنی "لوگوں کا اقرارِ اسلام" ہو۔ اس کے برعکس ہم وہ تمام مقامات دکھا دیں گے جہاں قرآن نے عهد اور أیمان کے الفاظ کو سیاسی معاہدات کے لئے استعمال کیا ہے۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں کوئی دلیل و برہان پیش کرو۔ لا برهان له۔ تم دیکھو گے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ یہ قرآن ہے۔ مذاق نہیں۔ مودودی صاحب نے آیۃ زیرِ نظر کے ترجمہ میں قوسین میں یہ الفاظ لکھے ہیں (یعنی قبولِ اسلام کا عہد)۔ یہ خالص اپنی طرف سے اضافہ ہے اور افتریٰ علی اللہ اور تحریف فی القرآن کی کھلی ہوئی مثال۔

آگے بڑھئے۔ اس آیت میں قرآن کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ عہد اور معاہدے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں تو فقاتلوا ائمۃ الکفر۔ کفر کے ان لیڈروں سے جنگ کرو۔ یہاں لفظ قاتلوا آیا ہے جس کے معنی جنگ کرنا ہے۔ مودودی صاحب اس سے قتلِ مرتد کی دلیل لاتے ہیں۔ اگر اس سے مراد قتل کرنا ہوتا تو اس کیلئے فاقتلوا آنا چاہئے تھا۔ جیسا کہ قرآن میں کئی ایک مقامات پر (قتل کرنے کے لئے) قتل آیا ہے۔ فقاتلوا (جنگ کرنے) کی صورت میں قتل کرنے اور قتل ہو جانے دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ (اسی لئے قتال کے معنی ایک دوسرے کو مارنے کے ہیں)

اس کے بعد قرآن نے کفار سے جنگ کرنے کی مزید توجیہ یہ کہہ کر فرما دی کہ انهم لا أیمان لهم۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ان کا جرم ارتداد ہوتا تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ ان کا ایمان نہیں رہا۔

آخر میں فرمایا کہ ان کے ساتھ جنگ کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے لعلهم ينتهون۔ تاکہ وہ شاید اس طرح باز آجائیں۔ یعنی مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے معاہدات کی رُو سے پُر امن رہیں۔ اگر وہ عہد شکنی کرتے ہیں تو ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جنگ کے خوف سے، عہد شکنی سے باز آجائیں۔ لیکن اس کے برعکس، اگر اس کے معنی یہ کئے جائیں کہ اگر وہ اسلام لا کر مرتد ہو جائیں تو انھیں قتل کر دو۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں ارتداد سے باز رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ مرتد ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں قتل کر دیا گیا۔ اب جسے قتل کر دیا گیا ہو وہ ارتداد سے باز کس طرح آئیگا؟ وہ تو ختم ہو گیا۔

مودودی صاحب نے سورۂ توبہ کی اسی آیت پر اکتفا کر دیا ہے۔ اگر وہ اس سے اگلی آیت بھی ساتھ ہی لکھ دیتے تو مطلب واضح ہو جاتا (لیکن ان کی منشاء کے خلاف جاتا)۔ وہ آیت یہ ہے:

الا تقاتلون قوما نکثوا أیمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدؤكم اول مرة اتخشونهم
فالله احق ان تخشوه ان كنتم مؤمنين۔ (9/13)

---

[1] واضح رہے کہ یہ لفظ إیمان نہیں بلکہ أیمان ہے۔ أیمان، یمین کی جمع ہے اور اس کے معنی قسم یا معاہدے کے ہیں۔ إیمان اس سے الگ لفظ ہے۔

کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنھوں نے اپنے عہد و پیمان توڑ ڈالے۔ جنھوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کئے اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں ہو۔

یہ آیت، اس سے پہلی آیت کی تشریح کر دیتی ہے (جسے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے) اس میں مزید وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کے اسباب و وجوہ کیا تھے۔ اس میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ

(۱) یہ وہی لوگ ہیں جو اس سے قبل معاہدات کو توڑ چکے ہیں۔

(۲) رسول اللہؐ کو مکے سے نکال دینے کے منصوبے باندھ چکے ہیں۔

(۳) کئی بار تمہارے خلاف جنگ میں پہل کر چکے ہیں۔

یہ ہے وہ فرد جرم جو قرآن نے ان لوگوں کے خلاف مرتب کی ہے آپ غور کیجئے کہ اس میں سیاسی معاہدات کے توڑنے کا ذکر ہے یا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جانے کا ذکر؟ ان آیات میں کوئی قرینہ یا شائبہ بھی اس امر کا نہیں کہ ایمان کو کفر سے بدل دینے کو جرم قرار دے کر اس کی سزا موت تجویز کی جا رہی ہو۔

بہرحال یہ ہے وہ ثبوت جو مودودی صاحب نے "قتلِ مرتد" کے متعلق قرآن سے پیش کیا ہے۔ ان کی پیش کردہ آیت پر ایک مرتبہ پھر غور کرو (اس کے بعد ان تمام آیات کو ایک مرتبہ پھر سامنے لاؤ جو دین کے معاملے میں جبر و اکراہ کے خلاف، سابقہ صفحات میں لکھی جا چکی ہیں) اور پھر سوچو کہ کیا اس آیت سے کسی طرح بھی قتلِ مرتد کا ثبوت ہم پہنچاتا ہے؟ ثبوت ہم پہنچا تو ایک طرف یہ سوچو کہ اس آیت کا اس موضوع (قتلِ مرتد) کے ساتھ کوئی تعلق بھی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب نے یہ آیت محض تکلفاً لکھ دی ہے (جس طرح رسماً خط کے اوپر ۷۸۶ لکھ دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا نفسِ مضمون سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی لکھنے والے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ فی الواقعہ خط کا آغاز خدا کے نام سے کرتا ہے)۔ ورنہ وہ اپنے دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن نے کہیں مرتد کی سزا قتل تجویز نہیں کی۔ چنانچہ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

قرآن نہیں بلکہ روایات اور فقہ

بعض لوگ حدیث اور فقہ کی باتیں سن کر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ قرآن میں یہ سزا کہاں لکھی ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلی کیلئے اگرچہ ہم نے اس بحث کی ابتدا میں قرآن کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ لیکن اگر بالفرض یہ حکم قرآن میں نہ بھی ہوتا تو حدیث کی کثیر التعداد روایات، خلفائے راشدین کے فیصلوں کی نظیریں اور فقہاء کی متفقہ رائیں اس حکم کو ثابت کرنے کیلئے بالکل کافی تھیں۔ ثبوتِ حکم کے لئے ان چیزوں کو ناکافی سمجھ کر جو لوگ اس کا حوالہ قرآن سے مانگتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا تمہاری رائے میں اسلام کا پورا قانونِ تعزیرات وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو گویا تم یہ کہتے ہو کہ قرآن میں جن افعال کو جرم قرار دیکر سزا تجویز کر دی گئی ہے ان کے ماسوا کوئی فعل اسلامی حکومت میں جرم مستلزم سزا نہ ہوگا۔ (ص ۳۱-۳۰)

اب آئیے مولوی صاحب اپنے اصل موقف پر۔ قرآن کی آیت تو محض تبرکاً لکھدی گئی تھی حکم کے لئے حدیث دیکھئے۔ فقہ دیکھئے۔ (اور یہی وہ مقام ہیں جہاں "مزاج شناسی" کی گنجائش نکلتی ہے)۔

یہ درست ہے کہ

(۱) قرآن میں ایسے جرائم کا بھی ذکر ہے جن کی سزا اس نے خود متعین نہیں کی۔ مثلاً خمر، میسرہ۔ وغیرہ

(۲) ایسے جرائم بھی ہیں جن کا قرآن میں محض اصولی حکم ہے۔ ان کی نوعیت متعین نہیں کی گئی۔ مثلاً نہی عن المنکر کا اصولی حکم۔

قرآن نے ارتداد کو جرم ہی قرار نہیں دیا

لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن یہ کہتا ہے (اور بار بار کہتا ہے) کہ کفر اور ایمان کے معاملے میں کسی پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔ کسی حالت میں بھی زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کفر اور ایمان کا بدلنا کوئی جرم نہیں۔ لیکن اس کے برعکس ایک شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان کو کفر سے بدلنے کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جو ایسا کرے گا وہ ایک سنگین جرم کا مرتکب ہوگا۔ جس کی سزا موت ہے۔ تو کیا ایسا کہنے والا دین کے ضابطۂ تعزیرات کی تکمیل کر رہا ہے یا قرآن کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت کا مرتکب ہو رہا ہے؟ اگر ایسا کہنے والا اپنے دعوے کے ثبوت میں عربی زبان کے چار فقرے پیش کرکے انھیں حدیث۔ صحابہؓ کے فیصلے اور فقہاء کی رائے قرار دیدے تو اس کے قول کو محض اس لئے دین مان لیا جائے گا کہ اس نے عربی کے ان فقروں کی نسبت حضور رسالتمآبؐ، صحابہ کبارؓ اور ائمہ فقہ علیہم الرحمۃ کی طرف کر دی ہے اور ایسا کرنے میں قطعاً نہیں شرمایا! ہم میں نہ آج رسول اللہؐ موجود ہیں نہ صحابہ کبارؓ اور نہ ہی ائمہ فقہ۔ ہم ان حضرات سے کس طرح تصدیق کریں کہ یہ ارشادات فی الواقعہ ان کے ہیں یا اُن کی طرف غلط منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے برعکس، ہمارے پاس قرآن موجود ہے جس کے محفوظ ہونے کا دعویٰ خود اللہ نے کیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اس نے لیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کفر اور ایمان کی تبدیلی کوئی جرم نہیں۔ فرمایئے! ان حالات میں کس کی بات دین کہلائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی بات۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں ہماری بات۔ اس لئے کہ اگرچہ آج ہم میں رسول اللہؐ موجود نہیں لیکن میں رسول اللہؐ کا مزاج شناس[1] تم میں موجود ہوں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ فلاں بات رسول اللہؐ نے فرمائی تھی یا نہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج رسول اللہؐ موجود ہوتے تو وہ اس باب میں کیا فرماتے؟ لہٰذا میری بات کو میری بات نہ سمجھو۔ اسے رسول اللہؐ کی بات سمجھو۔

کوئی اور بولتا ہے یہ میری زبان نہ سمجھو!

لا اکراہ فی الدین کی تفسیر

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ بیشک قرآن میں لا اکراہ فی الدین (دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں) کا حکم موجود ہے لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی غیر مسلم کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتے لیکن جو شخص ایک دفعہ مسلمان ہو جائے اسے اس کی اجازت قطعاً نہیں دی جا سکتی کہ وہ اسلام کے حلقے سے باہر نکل جائے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کا ارشاد ہے:

---

[1] "مزاج شناسی" کے لئے دیکھئے مضمون "مثلہٗ معہٗ" جو سالِ گذشتہ طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔

لاَ اکراہ فی الدین کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ اور واقعی ہماری روش یہی ہے۔ مگر جسے واپس آکر جانا ہو اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ آمدورفت کے لئے کھلا ہوا نہیں ہے۔ لہذا اگر آتے ہو تو یہ فیصلہ کر کے آؤ کہ واپس نہیں جانا ہے۔ ورنہ براہ کرم آؤ ہی نہیں۔ (ص۵۳)

یعنی اسلام میں صرف (one-way traffic) ہے۔ اس میں داخل ہونے تک تو تمہیں اختیار وارادہ حاصل ہے لیکن اس کے بعد کفر اور ایمان کے معاملے میں وہ تمام اختیارات جو تمہیں خدا نے دیئے تھے، سب سلب ہو جائیں گے۔ یہ ہے وہ محور جس کے گرد مودودی صاحب کے دعوے کی تمام دلیلیں گردش کرتی ہیں۔ یعنی وہی جواب جو قرآن کے بیان کے مطابق تمام کفار اپنے اپنے رسولوں کو دیا کرتے تھے۔

وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنآ اولتعودن فی ملتنا۔ . . . (۱۴/۱۳)

انکار کرنے والے سرکش اپنے رسولوں سے کہتے تھے کہ یا تو ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دینگے یا اپنے مذہب میں واپس لے آئیں گے۔

یہی مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ مذہب تبدیل کرنے والے مسلمان کو یا تو ملک چھوڑ کر چلا جانا ہوگا اور یا پھر اسی مذہب میں واپس جانا۔ ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

اگر کفر و ایمان کے بارے میں قرآن میں صرف وہی آیات ہوتیں جنھیں ہم پہلے لکھ آئے ہیں تو مسئلہ زیر نظر کے سمجھنے کے لئے وہی کافی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اسلام میں اس قسم کے فتنے بھی اٹھیں گے اس لئے اس نے اس مسئلہ کو یہیں نہیں چھوڑ دیا۔ اس نے اسلام لانے کے بعد پھر سے کافر ہو جانے والوں کے متعلق بھی، ایک نہیں متعدد مقامات پر صراحت سے ذکر کر دیا۔ مودودی صاحب نے اپنے رسالے میں ان مقامات کو چھوا تک نہیں اس لئے کہ لا یمسہ الا المطھرون۔ جن کے قلب و دماغ عجمیت کی کثافتوں سے آلودہ ہو چکے ہوں وہ قرآن کو کس طرح چھو سکتے ہیں؟ دیکھئے قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

مرتد کے متعلق قرآن کی تصریحات

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین (۳/۸۵)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہشمند ہوگا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائیگا اور آخرت میں وہ تباہ و نامراد ہوگا۔

یہ ہوئے وہ لوگ جنھوں نے اسلام کو اختیار نہیں کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہدایت پانے کے بعد پھر کفر اختیار کر گئے ان کے متعلق ارشاد ہے:

کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت۔ واللہ لا یھدی القوم الظالمین ۰ اولٰئک جزاءھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین ۰ خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ۰ الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم (۳/۸۵-۸۹)

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ اس قوم کو ہدایت دیدے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کرلی۔ حالانکہ اس نے گواہی دی تھی کہ اللہ کا رسول برحق ہے۔ اور اس کے سامنے روشن دلیلیں بھی آچکی تھیں۔ اللہ صحیح مقام سے ہٹ جانے والوں پر ہدایت کی راہیں نہیں کھولا کرتا۔

ان لوگوں کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور انسانوں کی، سب کی، لعنت برس رہی ہے۔ اس حالت ہمیشہ رہیں گے۔ نہ تو ان کا عذاب کبھی کم ہوگا، اور نہ کبھی مہلت پائیں گے۔

لیکن جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ کرلی اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو بیشک اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے۔

یہ ہے ذکر ان لوگوں کا جو اسلام لانے کے بعد پھر کفر کی طرف پھر جائیں۔ آپ دیکھئے ان کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ انھیں جرم ارتداد کی سزا میں قتل کردینا چاہئے[1]۔ ان کے متعلق صرف اتنا کہا ہے کہ اسلام کو چھوڑنے سے یہ ان تمام برکات وثمرات سے محروم ہو جائیں گے جو راہ راست پر چلنے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسلام کی راہ، کامرانیوں اور شادکامیوں کی راہ ہے اور کفر کی راہ ناکامیوں اور تباہیوں کی راہ۔ یہ اسلام پر قائم رہتے تو کامران وکامیاب زندگی بسر کرتے۔ انھوں نے کفر کی راہ اختیار کرلی تو ان کی کامیابیاں ناکامیوں میں بدل گئیں۔ اب اس کے بعد بھی کچھ نہیں بگڑا۔ جس طرح انھیں اس امر کا اختیار رکھا کہ اسلام لانے کے بعد جی چاہے تو اس کے دائرے سے باہر نکل جائیں، اب بھی انھیں اختیار ہے کہ جی چاہے تو پھر اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اگر انھوں نے پھر اسلام اختیار کرلیا تو اسلامی زندگی کی برکات وسعادتیں پھر ان کے شامل حال ہوں گی۔ غور کیجئے! اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو ان لوگوں کے پھر سے اسلام میں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اس سے اگلی آیات میں ان لوگوں کے طبعی موت سے مرجانے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے:

ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن یقبل توبتھم واولئك ھم الضالون ○ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدیٰ بہ۔ اولئك لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین (۳/۹۰-۸۹)

جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا، اور پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہی لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے۔

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے، تو اگر ان میں سے کوئی شخص پورا کرۂ ارض سونے سے بھر کر دیدے جب بھی اس کے فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

غور کیجئے۔ قرآن کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اسلام لانے کے بعد پھر سے کفر کی راہ اختیار کرلی (مرتد ہوگئے) اور پھر اسی حالت کفر میں مرگئے

---

[1] مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن حال ہی میں شائع ہوئی ہے (جو سورۂ انعام تک ہے) اس میں سورۂ آل عمران کی ان آیات کی تفسیر میں مودودی صاحب نے کہیں نہیں لکھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

(وماتوا وھم کفار) تو ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ دیکھئے! یہاں ان کے طبعی موت سے مرجانے کا ذکر صاف طور پر موجود ہے اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو نہ ان کے کفر میں بڑھتے جانے کا ذکر ہوتا (کیونکہ جسے قتل کر دیا جائے وہ کفر میں بڑھتا کیسے جائے گا؟ کفر میں اضافہ تو اسی وقت ہوگا جب مرتد رہنے کے بعد جیتا رہے) اور نہ ہی یہ لکھا ہوتا کہ وہ بحالت کفر مرجائیں گے۔ (ماتوا)۔ مودودی صاحب نے اپنے رسالے میں ان آیات کا ذکر تک نہیں کیا۔ (نہ ہی تفہیم القرآن میں ان آیات کے ضمن میں قتلِ مرتد کا سوال اٹھایا ہے۔)

اب اور آگے بڑھئے۔ سورۂ نساء میں ہے:

ان الذین اٰمنوا ثم کفروا۔ ثم اٰمنوا ثم کفروا۔ ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا (پ۶)

جو لوگ ایمان لائے۔ اس کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے۔ پھر کافر ہو گئے۔ اور پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ انھیں بخشنے والا نہیں۔ اور ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ انھیں ہدایت کی راہ دکھائے۔

یعنی۔ یہاں صرف ایک مرتبہ مرتد ہو جانے کا ذکر نہیں، دو بار ارتداد کا ذکر ہے۔ اسلام لائے۔ پھر مرتد ہو گئے۔ پھر اسلام لائے پھر مرتد ہو گئے۔[1] اور اس کے بعد اسلام نہیں لائے بلکہ حالتِ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کی بخشش نہیں ہوگی۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن کی رُو سے اسلام اور کفر کے دروازے کس طرح آمد و رفت کیلئے کھلے رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اسی کے خلاف مودودی صاحب کا فرمان ہے کہ

جسے آکر واپس جانا ہو اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ آمد و رفت کے لئے کھلا ہوا نہیں۔ لہٰذا اگر آتے ہو تو یہ فیصلہ کر کے آؤ کہ واپس نہیں جانا ہے ورنہ براہ کرم آؤ ہی نہیں۔

اسلام سے "واپس جانے والا" کہتا ہے کہ دیکھو! خدا نے یہ دروازہ کھلا رکھا ہے اس لئے میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کون ہوتا ہے جو اس دروازے کو کھلا رکھ سکے۔ ان دروازوں کو روایات نے بند کیا ہے۔ فقہ نے بند کیا ہے۔ اور اب ان پر ہمارا پہرہ ہے۔ خدا نے کھولا تھا لیکن ہم انھیں بند کرتے ہیں۔ اب دیکھیں خدا انھیں کس طرح کھول سکتا ہے۔

ایک آیت اور دیکھئے جس میں "ارتداد" کا خصوصی ذکر ہے۔ فرمایا:

یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ ... الخ (پ۶)

اے ایمان والو۔ تم میں سے جو کوئی مرتد ہو جائے[2] تو (ایسے لوگوں کی جگہ) خدا ایک ایسی قوم پیدا کر دے گا جنھیں خدا دوست رکھے گا اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے۔ مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہے عطا کرے۔ اللہ اپنے فضل میں بڑی وسعت والا، علم والا ہے۔

---

[1] مودودی صاحب تفہیم القرآن میں اس آیت کو بھی گول کر گئے ہیں۔

[2] مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس آیت کے تحت میں یہ نہیں لکھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ وہاں بھی چپکے سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

دیکھئے بات کس قدر صاف ہے! اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جو کوئی مرتد ہوتا ہے تو اسے جانے دو۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ایسے لوگوں کی جگہ ہم ایسی قوم لے آئیں گے جو صحیح مومنانہ صفات کے پیکر ہوں گے۔ اس آیت میں بھی کہیں یہ نہیں لکھا کہ ان لوگوں کو قتل کردو۔ قتل کرنا تو ایک طرف رسول اللہ سے تو یہاں تک فرما دیا کہ اگر یہ ایسا کرتے ہیں تو کرنے دو۔ تمہیں ان پر پاسبان بنا کر تھوڑا بھیجا گیا ہے۔ ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً (۴/۸۰) "جو کوئی اطاعت سے پھر جائے تو اے رسول! ہم نے تمہیں ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا"۔

اب سورۂ نحل کی ان آیات کو دیکھئے جن کا ایک حصہ پہلے بھی درج کیا جا چکا ہے۔ ارشاد ہے:

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم (۱۶/۱۰۶)

جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ سے کفر کرتا ہے۔ وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

یہاں صراحت سے مرتد کا ذکر ہے اور ایسے مرتد کا جو جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ اپنے دل کی کشادگی سے کفر اختیار کرتا ہے۔ قرآن نے کہیں نہیں لکھا کہ اس کی سزا موت ہے۔ اسے تیغ کے گھاٹ اتار دو۔ اس سے اگلی آیت میں اس کی وجہ بیان کی ہے۔ فرمایا:

ذالک بانھم استحبوا الحیوٰۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکافرین (۱۶/۱۰۷)

یہ اس لئے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کافروں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

یہ تھی وہ وجہ جس سے انھوں نے اسلام چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کی۔ انھوں نے مستقبل کی کامرانیوں کی بجائے پیش پا افتادہ مفاد کے حصول کو ترجیح دی۔ اور یہ اسلئے کیا کہ ان میں دور اندیشی اور عاقبت بینی کا مادہ نہیں رہا۔

اولٰئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون (۱۶/۱۰۸)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی اور یہ لوگ غفلت میں ڈوب گئے۔

ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا؟

لاجرم انھم فی الاٰخرۃ ھم الخاسرون (۱۶/۱۰۹)

لامحالہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں تباہ حال ہوں گے۔

غور کیجئے۔ قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردن مار دی جائے گی اور اس طرح انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلام لاکر پھر کفر اختیار کرنے کی سزا کیا ہے؟

قرآن کا واضح فیصلہ

قرآن کا فیصلہ واضح ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شروع میں بھی اسلام سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن میں صحیح بصیرت نہیں ہوتی۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (۲/۶-۷)

"وہ لوگ جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، تم انھیں (ان کی اس روش کے نتائج سے) آگاہ کرو یا نہ کرو۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔" اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی حالت ایسی ہی کر لی ان کا بھی یہی حشر ہوگا (ولہم عذاب عظیم۔ ۱۶/۱۰۶) آپ نے دیکھا کہ اس باب میں قرآن نے شروع میں اسلام سے انکار کرنے والوں اور اسلام لا کر اس سے پھر جانے والوں میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ دونوں کے انکار کی علت ایک ہی ہے۔ یعنی طبع اللہ علیٰ قلوبھم۔ . . . ان لوگوں نے اپنی عقل و بصیرت کھو دی ہے اور اسلام کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت ہے۔ اس لئے عقل و دانش کو مفلوج کر کے نہ تو پہلی بار اسلام قبول کرایا جا سکتا ہے نہ ہی ان لوگوں کو اسلام میں بالجبر رکھا جا سکتا ہے جو عقل و دانش سے یکسر محروم ہو چکے ہوں۔ اور اس طرح انھوں نے اسلام چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ کہتا ہے کہ جب علت دونوں کی ایک ہے تو پھر ان دونوں سے سلوک میں فرق کیسا؟ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں! اللہ میاں کو (معاذ اللہ) اس کا پتہ نہیں۔ ان میں بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے اول الذکر گروہ کو تو جینے کا حق دیا جا سکتا ہے لیکن ثانی الذکر کو یہ حق قطعاً نہیں دیا جا سکتا۔ اسے گولی مار دینی چاہئے!

بہرحال یہ ہیں قرآن کی وہ آیات جن کا ذکر تک مودودی صاحب نے اپنے مقالہ میں نہیں کیا اور جن سے یہ واضح ہے کہ قرآن کی رو سے ارتداد کوئی جرم نہیں۔ اب پھر مودودی صاحب کی اس دلیل پر غور کیجئے جس میں وہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن میں جرم ارتداد کی سزا نہیں لکھی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی سزا ہی مقرر نہ کی جائے۔ اس کی سزا روایات اور فقہ نے متعین کر دی ہے۔ لیکن جو آیات اوپر لکھی جا چکی ہیں ان سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ مرتد کے معاملے میں قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اسلام کے بعد کفر اختیار

ارتداد جرم ہی نہیں لہٰذا سزا کیسی؟

کر لینا کوئی جرم نہیں۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ مسلمان رہے یا اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔ اس لئے جب یہ چیز جرم ہی نہیں تو اس کی سزا کیسی؟ بنابریں بات یوں ٹھہری کہ

(۱) قرآن نہ تو ارتداد کو جرم قرار دیتا ہے اور (اس لئے) نہ اس کی کوئی سزا تجویز کرتا ہے۔ اس کے برعکس وہ کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔

لیکن (۲) اس کے برعکس، احادیث اور فقہ، ارتداد کو جرم قرار دیتی ہیں اور اس کی سزا موت بتاتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں کس کا فیصلہ صحیح مانا جائے۔

(الف) مُلا (اور اس گروہ کے ترجمان مودودی صاحب) کا فتویٰ ہے کہ حکم روایات اور فقہ کا مانا جائے۔ اور

(ب) ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ فیصلہ قرآن ہی کا فیصلہ ہے اور حکم اللہ ہی کا حکم ہے۔ (ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ (جو قرآن کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں کافر ہے)۔

باقی رہا روایات کا اور فقہ کا معاملہ سو

(ج) ہمارے نزدیک نہ رسول اللہؐ کوئی ایسا حکم دے سکتے تھے جو قرآن کی تعلیم کے خلاف ہو اور نہ ہی ائمہ فقہ کے

متعلق ایسا خیال کرتے ہیں اس لئے یہ چیزیں وضعی اور بعد کی اختراع ہیں۔ انھیں رسول اللہ یا ائمہ فقہ کی طرف منسوب کرنا بڑی جرأت اور گستاخی ہے۔

تواتر کی سند

لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں:

> اگر ایسے امور بھی مشکوک ہو جائیں جن کے لئے اس قدر تسلسل اور تواتر کے ساتھ شہادتیں پائی جاتی ہیں تو معاملہ ایک دو مسائل تک محدود کہاں رہتا ہے۔ اس کے بعد تو زمانۂ گذشتہ کی کوئی چیز بھی جو ہم تک روایۃً پہنچی ہے شک سے محفوظ نہیں رہتی۔ (ص۸)

اس کے متعلق ہماری گذارش یہ ہے کہ معاملہ ایک دو مسائل تک جائے یا ہزار دو ہزار تک' اصول ہر جگہ ایک ہی ہونا چاہئے یعنی جو بات قرآن کے خلاف ہے اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ہم تک صرف قرآن محفوظ پہنچا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کی حفاظت کا ذمہ اس نے نہیں لیا۔ اگر ہمارے پاس قرآن محفوظ شکل میں نہ ہوتا تو ہمیں بھی مجبوراً "تسلسل اور تواتر" کا محتاج ہونا پڑتا جس طرح دنیا کے دیگر اہلِ کتاب کے ساتھ ہوا ہے۔ لیکن جب ہمارے پاس خدا کی کتاب اپنی محفوظ شکل میں موجود ہے تو تسلسل اور تواتر کا معیار اللہ کی کتاب ہوگی نہ کہ اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر، ہمارا عمل تسلسل اور تواتر پر ہوگا، اگر دین کے لئے تسلسل اور تواتر ہی کو معیار بننا تھا تو قرآن کو محفوظ رکھنے کی ضرورت کیا تھی؟ بہرحال یہ ہیں دو مسلک جو بالکل کھلے اور واضح ہیں۔ قرآن کو چھوڑ کر تسلسل اور تواتر کو دین ماننے کا مسلک مودودی صاحب (اور تمام مولویوں) کا مسلک ہے۔ اور تسلسل اور تواتر کو کتاب اللہ کے تابع رکھنے کا مسلک ہمارا مسلک ہے۔

مودودی صاحب کے نزدیک ان کا مسلک عین اسلام کا مسلک ہے اور ہمارا مسلک کفر کا مسلک! اور چونکہ مسلمان ہونے کے بعد "کفر کا مسلک" ارتداد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے اس لئے ہماری سزا موت ہے۔

احادیث اور قتلِ مرتد

قرآن کی اس "دلیل" کے بعد مودودی صاحب نے احادیث کی رُو سے قتلِ مرتد کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اس باب میں ہمیں کسی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرآن کے ایسے واضح احکام کے بعد کوئی چیز جو قرآن کے خلاف جاتی ہو اس قابل نہیں ہو سکتی کہ اسے درخورِ اعتنا سمجھا جائے۔ یوں بھی روایات سے کیا کچھ ثابت نہیں کیا جا سکتا! جس مقصد کے لئے ہم نے اس حصے کا ضمنی ذکر چھیڑا ہے وہ کچھ اور ہے۔ عام طور پر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اس چیز کی کوئی بین مثال پیش کرنی چاہئے کہ روایات میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو قرآن کی تعلیم کے صریح خلاف جاتی ہیں۔ اس کی مثال مودودی صاحب کی پیش کردہ احادیث سے مل سکے گی۔ ان احادیث میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

> کسی مسلمان کا خون حلال نہیں الا یہ کہ اس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کی ہو۔ یا مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کیا ہو۔ یا کسی کی جان لی ہو۔ (ص۱۴)

اس حدیث میں تین باتوں میں سے دو باتیں ایسی ہیں جو قرآن کے احکام کے یکسر خلاف ہیں۔ ایک تو قتلِ مرتد جس کے متعلق قرآنی آیات سابقہ صفحات میں آپ کی نظر سے گذر چکی ہیں۔ دوسرے زانی کا قتل (رجم یا سنگسار) قرآن نے زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا سو سو دُرّے مقرر کی ہے۔ بالکل واضح اور صریح الفاظ ہیں۔ اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق نہیں۔ لیکن روایات میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم (سنگسار) لکھی ہے۔ یعنی قرآن کچھ سزا مقرر کرتا ہے اور روایات اس کے بالکل برعکس دوسری سزا بتاتی ہیں۔ جب یہ اعتراض سامنے آیا کہ روایات کی یہ سزا قرآن کے صریحاً خلاف ہے تو اس الزام سے بچنے کے لئے اور روایات وضع کر لی گئیں جن میں یہ لکھ دیا گیا کہ (معاذ اللہ) حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں قرآن میں آیۂ رجم موجود تھی اور ہم اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اب قرآن میں وہ آیت موجود نہیں لیکن اس کا حکم بدستور موجود ہے[1]۔ یعنی ایک جھوٹ کو سچا ثابت کرنے کے لئے دس جھوٹ اور وضع کئے گئے اور اس میں اتنا بھی خیال نہ رہا (یا شاید دانستہ ایسا کیا گیا) کہ اس سے حفاظتِ قرآن کا دعویٰ ہی یکسر باطل ہو جاتا ہے جس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ لیکن مُلّا کو اس سے کیا غرض کہ قرآن کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے! اس کا دین روایات پرستی ہے۔ وہ پرستش ہی اشخاص کی کرتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے معبودوں کی سلامتی چاہتا ہے خواہ اس میں خُدا باقی رہے یا نہ رہے۔

ایک دلچسپ حدیث احادیث کے ضمن میں مودودی صاحب نے ایک ایسی دلچسپ روایت نقل کی ہے جسے درج کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ عبداللہ بن ابی سرح کسی زمانے میں رسول اللہؐ کا کاتب تھا۔ پھر شیطان نے اسے پھسلا دیا اور وہ کفار سے جا ملا۔ اس کی بابت حدیث میں ہے:

> جب مکہ فتح ہوا تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے عثمان بن عفانؓ کے دامن میں پناہ لی۔ عثمانؓ اس کو لیکر نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کی بیعت قبول فرما لیجئے۔ حضورؐ نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا اور چپ رہے۔ تین دفعہ یہی ہوا۔ آپ اس کی طرف بس دیکھ دیکھ کر رہ جاتے تھے۔ آخر تین دفعہ کے بعد آپ نے اس کو بیعت میں لے لیا۔ پھر آپ صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے اندر کوئی ایسا بھلا آدمی موجود نہ تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں نے بیعت سے ہاتھ روک رکھا ہے تو آگے بڑھتا اور اس شخص کو قتل کر دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ فرما دیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ایک نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھوں کی چوری کرے۔ (ص ۱۶-۱۷)

آپ نے غور فرمایا کہ دربار رسالتمآبؐ کا یہ کس قسم کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟ ایک شخص مجرم ہے اور رسولؐ اللہ کے نزدیک واجب القتل۔ حضرت عثمانؓ اس کی سفارش فرماتے ہیں۔ رسول اللہؐ میں (معاذ اللہ معاذ اللہ) اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ یا اسے علانیہ معاف کر دیں اور یا قتل کا حکم دیدیں۔ ہر بار نگاہ اٹھاتے ہیں اور خاموش رہ جاتے ہیں۔ پھر مجبوراً معاف کر دیتے ہیں اور پھر صحابہ کو ملامت کرتے

---

[1] طلوعِ اسلام میں اس موضوع پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

ہیں کہ کیا ان میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی ایسا نہ تھا" جو رسول اللہؐ کے اس خفیہ اشارہ (یعنی خاموشی) کو بھانپ کر اس مجرم کو قتل کر دیتا!

صدمہ اس کا نہیں کہ عجم کے منافقین نے روایات سازی سے نبی اکرمؐ کی سیرت کو کس طرح مسخ کر دیا۔ صدمہ اس کا ہے کہ آج ہمارا ملّا کس طمطراق سے ان روایات کو "دین" بنا کر پیش کیے جا رہا ہے۔ اگر وہ دانستہ ایسا کرتا ہے تو وہ خود اس سازش میں شریک ہے۔ اور اگر نادانستہ ایسا کرتا ہے تو اس کی جہالت پر جسقدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ لیکن منافقت ہو یا جہالت، نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ دنیا انہی باتوں کو مستند قرار دیکر اچھال رہی ہے اور اسلام کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔

آثارِ صحابہؓ روایات کے بعد مودودی صاحب نے آثار صحابہؓ سے بھی بعض مثالیں قتل مرتد کی تائید میں پیش کی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک گروہ مسلمان ہو کر پھر عیسائی ہو گیا اس پر

حضرت علیؓ کے حکم سے یہ لوگ قتل کر دیئے گئے اور ان کے بال بچے غلام بنا لئے گئے (ص۲۱)

مذہب بدلنے والوں کو قتل کر دینا اور اس کے بال بچوں کو غلام بنا لینا! یہ ہے اسلام؟

اور آگے بڑھیے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو اطلاع دی گئی کہ کچھ لوگ آپ کو رب قرار دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے انھیں سمجھایا لیکن وہ اپنے اس عقیدے سے باز نہ آئے۔

آخر کار حضرت علیؓ نے ایک گڑھا کھدوایا۔ اس میں آگ جلوائی۔ پھر ان سے کہا، دیکھو اب بھی اپنے قول سے باز آجاؤ۔ ورنہ تمہیں اس گڑھے میں پھینک دوں گا۔ مگر وہ اپنے اسی عقیدے پر قائم رہے۔ تب حضرت علیؓ کے حکم سے وہ سب اسی گڑھے میں پھینک دیئے گئے۔ (ص۲۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک گھر کے لوگوں نے اپنے ہاں ایک بت بنا رکھا تھا اور اس کی پرستش کرتے تھے۔

یہ سن کر حضرت علیؓ خود وہاں تشریف لے گئے۔ تلاشی لینے پر بت نکل آیا۔ حضرت علیؓ نے اس گھر میں آگ لگا دی اور وہ گھر والوں سمیت جل گیا۔ (ص۲۲)

یہ ہیں آپ کی "خلافتِ راشدہ" کے وہ کارنامے جو عجمی سازش کے صدقے آپ کی کتب روایات میں درج ہو چکے ہیں اور جنھیں آج مزاجِ شناسِ اسلام، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اس فخر سے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں اور ان سے ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ خدا اسلام کو ایسے دوستوں سے بچائے!

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو تبلیغ کا حق؟ اس کے بعد مودودی صاحب نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ کیا ایک صحیح اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق اسی طرح حاصل ہوگا جس طرح مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اس مسئلہ کا فیصلہ بڑی حد تک تو قتل مرتد کے قانون نے خود ہی کر دیا ہے۔ کیونکہ جب ہم اپنے حدود اقتدار میں کسی ایسے شخص کو جو مسلمان ہو اسلام سے نکل کر کوئی دوسرا مذہب و مسلک قبول کرنے کا حق نہیں دیتے تو لامحالہ اس کے یہی معنی ہیں کہ ہم حدودِ اسلام میں اسلام کے بالمقابل کسی دوسری دعوت کے اٹھنے اور پھیلنے کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ دوسرے مذاہب و مسالک کو تبلیغ کا حق دینا اور مسلمانوں کے لئے تبدیل مذہب کو جرم ٹھہرانا، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور موخر الذکر قانون مقدم الذکر چیز کو خود بخود کالعدم کر دیتا ہے۔ لہٰذا قتل مرتد کا قانون فی نفسہٖ یہ نتیجہ نکالنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام اپنے حدود اقتدار میں تبلیغ کفر کا روادار نہیں۔ (ص ۳۳-۳۲)

چونکہ یہ مسئلہ بہت اہم تھا کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق دیا جائے گا یا نہیں۔ اس لئے آپ نے اس سوال کے جواب میں تفصیلی بحث کی ہے اور اس بحث سے وہی کچھ ثابت کیا ہے جو اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ بحث کے اخیر پر آپ پھر لکھتے ہیں کہ

اس میں بھی کہیں کوئی اشارہ تک ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ اسلامی حکومت کسی ایسے شخص کو آکر اپنے حدود میں کام کرنے کی اجازت دے سکتی ہے جو کسی دوسرے مذہب و مسلک کا پرچار کرنا چاہتا ہو۔ اب اگر بعد کے (یعنی خلافتِ راشدہ کے بعد کے) دنیا پرست "خلفاء" اور بادشاہوں نے اس کے خلاف کوئی عمل کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اسلام کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ وہ دراصل اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ ایک حقیقی اسلامی حکومت کے فرائض سے ناواقف تھے، یا ان سے منحرف ہو چکے تھے ..... اسلامی نقطۂ نظر سے یہ سب کارنامے ان بادشاہوں کے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ (ص ۴۱-۴۰)

اقتباسات بالا میں آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی صاحب کے نزدیک:

(i) اسلام اپنے حدود اقتدار میں کفر کی تبلیغ کا روادار نہیں۔

(ii) اسلامی حکومت کسی ایسے شخص کو اپنے حدود میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیسکتی جو کسی دوسرے مذہب و مسلک کا پرچار کرنا چاہتا ہو۔

(iii) اگر کسی نے غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دی ہے تو اس کا یہ فعل اسلام کے خلاف تھا اور اسلام کی عدالت میں جرم۔

ایک ملتی جلتی بات آپ کو شاید معلوم ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک یہ بھی اسلام کا حکم ہے (اور "اسلامی حکومت" کا فریضہ) کہ جنگ کے قیدیوں کو غلام بنایا جائے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر بے حد و بے شمار (جتنی جی چاہے) گھروں میں ڈال لیا جائے۔ اس پر کسی نے یہ اعتراض کیا کہ اگر یہی روش دوسری قومیں بھی اختیار کر لیں اور مسلمانوں کی

ہو، بیٹیوں، ماؤں، بہنوں کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہونے لگے تو آپ پر کیا گزر گی؟ لیکن "اسلامی جماعت" اور اس کے امیر کو ۔۔۔ کیا غرض کہ وہ سوچیں کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو اور عصمت و ناموس سے کیا بنتی ہے؟ اگلے دنوں (کسی بازآ کے سلسلے میں) ایک سکھ ہندوستان سے پاکستان آیا تھا۔ اغوا شدہ عورتوں کے سلسلے میں اس کے ایک جاننے والے مسلمان نے اس سے بات چیت کی اور کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا ذرا خیال نہیں آتا کہ دوسروں کی عورتوں کو اس طرح گھروں میں ڈال لینا شریفوں کا کام نہیں! سکھ نے کہا کہ ہم تو اس فعل کو شروع ہی سے خلاف انسانیت سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں نے یہ بتا کر کہ جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا عینِ اسلام ہے، ہمیں بھی اس کی جرأت دلا دی۔ اگر یہ فعل عین اسلام کے مطابق ہے تو ہمیں ایک اسلامی کام سے کیوں روکا جاتا ہے؟

اسی قسم کا یہ دوسرا فتویٰ بارگاہ امارت مآب سے صادر ہوا ہے کہ اسلامی مملکت میں کسی غیر مسلم کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب یہی قانون دوسری سلطنتیں اپنے ہاں رائج کر لیں گی تو پھر مسلمان چیخیں گے!

بہرحال، اب قتل مرتد کے سلسلے میں آگے بڑھئے۔

قتلِ مرتد کی عقلی دلیلیں

ان نقلی شہادات کے بعد مودودی صاحب نے "قتل مرتد پر عقلی بحث" کی ہے۔ یہ حصہ مقالہ کے پہلے حصے سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ اسلئے کہ ۔۔ "ملا اور عقلی بحث" ۔۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ مودودی صاحب نے سب سے پہلے ان اعتراضات کو خود ہی نقل کر دیا ہے جو ان کے نزدیک قتل مرتد کے خلاف عقلاً وارد ہو سکتے ہیں۔ اس باب میں وہ لکھتے ہیں کہ "قتل مرتد پر زیادہ سے زیادہ جو اعتراضات ممکن ہیں وہ یہ ہیں:-

اولاً یہ چیز آزادیٔ ضمیر کے خلاف ہے۔ ہر انسان کو یہ آزادی ہونی چاہئے کہ جس چیز پر اس کا قلب مطمئن ہو اسے قبول کرے اور جس چیز پر اس کا اطمینان نہ ہو اسے قبول نہ کرے۔ یہ آزادی جس طرح ایک مسلک کو ابتداءً قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں ہر آدمی کو ملنی چاہئے اسی طرح ایک مسلک کو قبول کرنے کے بعد اس پر قائم رہنے یا نہ رہنے کے معاملے میں بھی حاصل ہونی چاہئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ثانیاً ۔ جو رائے اس طرح جبراً بدل جائے یا جس رائے پر سزائے موت کے خوف سے لوگ قائم رہیں تو وہ بہرحال ایماندارانہ رائے تو نہیں ہو سکتی۔ اس کی حیثیت محض ایک منافقانہ اظہار رائے کی ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ جو شخص ارتداد کا فیصلہ کر چکا ہو اگر سزائے موت سے بچنے کے لئے منافقانہ طریقے سے بظاہر مسلمان بنا رہے تو اس کا فائدہ کیا ہے؟

ثالثاً ۔ اگر اس قاعدے کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایک مذہب ان تمام لوگوں کو اپنی پیروی پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے جو ایک مرتبہ اس کے حلقۂ اتباع میں داخل ہو چکے ہوں اور اس کے لئے اپنے دائرے سے نکلنے والوں کو سزائے موت دینا جائز ہے تو اس سے تمام مذاہب کی تبلیغ و اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

رابعًا۔ اس معاملے میں اسلام نے بالکل ایک متناقض رویہ اختیار کرلیا ہے۔ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ دین میں جبر واکراہ کا کوئی کام نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری طرف وہ خود ہی اس شخص کو سزائے موت کی دھمکی دیتا ہے جو اسلام سے نکل کر کفر کی طرف جانے کا ارادہ کرے۔

اعتراضات کا جواب

ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے مودودی صاحب نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ "اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے بلکہ ایک پورا نظام زندگی ہے"۔ ایمان ایک ایسی رائے نہیں" جو صرف انفرادی طور پر ایک شخص اختیار کرتا ہو بلکہ یہ وہ رائے ہے جس کی بنا پر انسانوں کی ایک جماعت تمدن کے پورے نظام کو ایک خاص شکل پر قائم کرتی ہے اور اسے چلانے کے لئے وجود میں لاتی ہے"۔ مودودی صاحب کے جوابات کی ساری عمارت اسی بنیاد پر اٹھی ہے۔ یعنی اسلام ایک اسٹیٹ (state) ہے، لہذا دیکھنا یہ چاہیئے کہ ایک اسٹیٹ کا اس باب میں کیا رویہ ہونا چاہیئے۔ اس تمہید کے بعد مودودی صاحب کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا اعتراض یہ تھا کہ یہ بات آزادئ ضمیر کے خلاف ہے کہ جس بات پر کسی شخص کا قلب مطمئن نہ ہو اسے اس کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب فرماتے ہیں:

> مرتد کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے ارتداد سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ سوسائٹی اور اسٹیٹ کی تنظیم جس بنیاد پر رکھی گئی ہے اس کو وہ نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرتا بلکہ اس سے کبھی آئندہ بھی یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ اسے قبول کرے گا۔ ایسے شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنے لئے اس بنیاد کو ناقابل قبول پاتا ہے جس پر سوسائٹی اور اسٹیٹ کی تعمیر ہوئی ہے تو خود اس کے حدود سے نکل جائے۔[1] مگر جب وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے لئے دو ہی علاج ممکن ہیں۔ یا تو اسے اسٹیٹ میں تمام حقوق شہریت سے محروم کرکے زندہ رہنے دیا جائے یا پھر اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے۔ پہلی صورت فی الواقعہ دوسری صورت سے شدید تر سزا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لا یموت فیھا ولا یحییٰ کی حالت میں مبتلا رہے۔ وہ اس حالت میں سوسائٹی کیلئے اور بھی خطرناک ہوجاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے موت کی سزا دے کر اس کی سوسائٹی کی مصیبت کا یک وقت خاتمہ کردیا جائے۔ (ص۵۱)

اس جواب کا تجزیہ

اس دلیل کا ذرا تجزیہ کرکے دیکھئے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ جس شخص کے نزدیک وہ بنیاد قابلِ قبول نہیں جس پر اسلامی اسٹیٹ اور سوسائٹی کی عمارت استوار ہوتی ہے، اس کے لئے صرف تین صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔

---

[1] حرفاً حرفاً وہی بات جو کفار اپنے رسولوں سے کہتے تھے کہ لنخرجنکم من ارضنا اولتعودن فی ملتنا۔ یا پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ یا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ قرآن اس روش کو کفار کی روش بتاتا ہے اور مودودی صاحب اسے عین اسلام قرار دیتے ہیں!

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

(۱) یا تو وہ اسلامی مملکت کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔
(۲) اسلامی مملکت میں رکھا جائے تو تمام حقوق شہریت سے محروم کر کے زندہ رہنے دیا جائے۔ یا
(۳) قتل کر دیا جائے۔

اس کے بعد مودودی صاحب شق ۱ اور ۲ میں خود ہی موازنہ کرتے بیٹھ جاتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ حقوق شہریت سے محروم کر کے زندہ رکھنے کا عذاب زیادہ شدید ہے اس لئے "تقاضائے ہمدردی" یہی ہے کہ اسے مار دیا جائے۔ تپ دق سے پھانسی ہزار درجے اچھی۔

یہ سسک سسک کے مرنا غم ہجر میں بلا ہے کوئی ظلم مجھ پہ ہوتا مگر ایک بار ہوتا

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک یہ صورت ممکن ہی نہیں کہ جو شخص اسلامی سوسائٹی کی بنیادوں پر یقین نہیں رکھتا اسے اسلامی مملکت میں حقوق شہریت دیکر زندہ رہنے کی اجازت دی جائے! اسے یا تو مملکت چھوڑ جانا ہوگا یا تلوار کے گھاٹ اتر جانا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے لئے۔ یعنی ان کے لئے جو ان بنیادوں کو نہیں مانتے جن پر اسلامی سوسائٹی تشکل ہوتی ہے (بالفاظ دیگر جو ایمان نہیں رکھتے) ایسی صورت ممکن ہی نہیں کہ انھیں حقوق شہریت دیکر زندہ رہنے دیا جائے؟ اسلامی تصور مملکت میں ایک لفظ ذمی بھی ہے۔ ذمی وہ غیر مسلم ہیں جو اسلامی مملکت میں غیر مسلموں ہی کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق مودودی صاحب اسی مقالہ میں فرماتے ہیں:

ذمیوں کے حقوق

اس معاملے میں (ذمیوں کے معاملے میں) اسلام نے جتنی رواداری برتی ہے دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی دوسرے نظام نے نہیں برتی۔ دوسرے جتنے نظام ہیں وہ اساسی اختلاف رکھنے والوں کو یا تو زبردستی اپنے اصولوں کا پابند بناتے ہیں یا انھیں بالکل فنا کر دیتے ہیں۔ وہ صرف اسلام ہی ہے جو ایسے لوگوں کو ذمی بنا کر اور انھیں زیادہ سے زیادہ ممکن آزادیٔ عمل دیکر اپنے حدود میں جگہ دیتا ہے اور ان کے بہت سے ایسے اعمال کو برداشت کرتا ہے جو براہ راست اسلامی سوسائٹی اور اسٹیٹ کی اساس سے متصادم ہوتے ہیں۔ (ص۴۹)

آپ یقیناً تعجب سے پوچھیں گے کہ جب خود مودودی صاحب کے نزدیک اسلامی مملکت میں ایسے لوگوں کے لئے گنجائش موجود ہے جو اس کے اساسی تصورات کو قبول نہیں کرتے۔ تو جو مسلمان اسلام چھوڑتا ہے اس کی بھی تو یہی حیثیت ہے کہ وہ اسلام کے اساسی تصورات کو ناقابل قبول سمجھتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے لئے اسلامی مملکت میں گنجائش کیوں نہیں؟

کافر اور مرتد کا فرق

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص شروع ہی سے کافر ہے اس میں اور جو شخص ایک دفعہ مسلمان ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹتا ہے، اس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اول الذکر کے لئے اسلامی مملکت میں آزادیٔ عمل و عقیدہ سے جینے کی گنجائش ہے۔ گنجائش ہی نہیں بلکہ اس کے لئے اسلامی مملکت بڑی مراعات دیتی ہے لیکن جو مسلمان ان ذمیوں میں شامل ہونا چاہے اس کیلئے پھانسی کے تختے کے سوا کوئی اور جگہ نہیں۔ اب اس تفریق و تمیز کی وجہات سنئے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ

(ذمیوں کے ساتھ) اس رواداری کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسانی فطرت سے مایوس نہیں ہے۔ وہ خدا کے بندوں سے آخر وقت تک یہ امید وابستہ رکھتا ہے کہ جب انھیں دینِ حق کے مالکت رہ کر اس کی نعمتوں اور برکتوں کے مشاہدہ کا موقع ملے گا تو وہ بالآخر اس حق کو قبول کریں گے جس کی روشنی فی الحال انھیں نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ (ص۵)

گویا ایک ہندو کی فطرت تو انسانی فطرت ہے جس سے اسلام مایوس نہیں ہوتا لیکن اگر ایک مسلمان کسی غلط فہمی، غلط نگہی یا اور سبب سے ہندو ہو جاتا ہے تو اس سے اسلام مایوس ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی فطرت انسانی فطرت نہیں رہتی۔ کچھ اور بن جاتی ہے۔ وہ "خدا کے بندوں" سے آخر وقت تک نیک امید وابستہ رکھتا ہے۔ لیکن جب ایک مسلمان عیسائی ہو جائے تو وہ اس سے کوئی نیک امید وابستہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ "خدا کا بندہ" نہیں رہتا! یعنی مودودی صاحب کے نزدیک جو مسلمان ایک مرتبہ مذہب تبدیل کرے، اس میں پھر اصلاح کا امکان قطعاً نہیں رہتا اس لئے اس کا علاج قتل کے سوا کچھ اور نہیں۔ حالانکہ وہ اس روایت کو بھی خود ہی نقل کرتے ہیں کہ

عمر بن عاص حاکم مصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک شخص اسلام لایا تھا پھر کافر ہو گیا۔ پھر اسلام لایا پھر کافر ہو گیا۔ یہ فعل وہ کئی مرتبہ کر چکا ہے۔ اب اس کا اسلام قبول کیا جائے یا نہ۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جب تک اللہ اس سے اسلام قبول کرتا ہے تم بھی کئے جاؤ۔ اس کے سامنے اسلام پیش کرو۔ مان لے تو چھوڑ دو۔ ورنہ گردن مار دو۔ (ص۱۵)

یعنی حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو یہ تھا کہ وہ ہزار بار بھی کافر ہو جائے تو بھی اس سے مایوس نہ ہو۔ لیکن ہمارے دورِ حاضر کے امیر المومنین ہیں کہ ان کی رائے میں جو مسلمان ایک مرتبہ بھی کفر اختیار کرے اس سے تمام امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس کا علاج موت کے سوا کچھ نہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اس قسم کی روش کو جس کی اجازت حضرت عمرؓ نے دی تھی، کھلنڈرے پن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ

ہم ایسے لوگوں کیلئے اپنی جماعت کے اندر آنے کا دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں جو تلون کے مرض میں مبتلا ہیں .....

کسی نظامِ زندگی کی تعمیر ایک نہایت سنجیدہ کام ہے جو جماعت اس کام کے لئے اٹھے اس میں لہری طبیعت کے کھلنڈرے لوگوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ (ص۱۵)

غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ "ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا" کہہ کر اس امکان کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک شخص مرتد ہو کر پھر بھی اسلام لا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کی تاکید کرتے ہیں کہ مرتد کے لئے اسلام کا دروازہ ہر بار کھلا رہنا چاہئے لیکن یہ ہمارے "مزاج شناسِ خدا و رسول" ہیں کہ ان کے نزدیک یہ عمل کھلنڈرا پن ہے جس کی اجازت اسلام میں قطعاً نہیں دی جا سکتی۔

کافر اور مرتد میں تفریق کی پہلی وجہ آپ نے ملاحظہ فرمائی یعنی کافر سے خدا مایوس نہیں ہوتا اسلئے اسے جملہ حقوقِ شہریت دیکر زندہ رکھا جاتا ہے۔ لیکن جو مسلمان کفر اختیار کرے اس سے خدا مایوس ہو جاتا ہے اس لئے اس کا فوراً خاتمہ کر دینا چاہئے۔

اب اس کی دوسری وجہ سنئے۔ فرماتے ہیں

نہ ماننے والے (کافر) اور بغاوت کر کے الگ ہو جانے والے (مرتد) کے درمیان انسانی فطرت لازماً فرق کرتی ہے۔ نہ ماننا، تلخی، نفرت اور

عداوت کو مستلزم نہیں ہے مگر مل کر الگ ہو جانا قریب قریب سو فیصدی حالات میں ان جذبات کو مستلزم ہے۔ (ص۶۶)

ہم پوچھتے یہ ہیں کہ اگر مل کر الگ ہو جانے والے (مرتد) کی حالت یہی ہوتی ہے تو اس کیلئے توبہ کا دروازہ کیوں کھلا رکھا جاتا ہے؟ جب قریب قریب سو فیصدی حالات میں ایسے شخص کا سینہ نفی، نفرت اور عداوت کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے تو اسے پھر سے اپنے اندر شامل ہو جانے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟

دوسرے اعتراض کا جواب

پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہر انسان کو یہ آزادی ہونی چاہئے کہ جس چیز پر اس کا قلب مطمئن ہو اسے قبول کرے اور جس چیز پر اس کا اطمینان نہ ہو اسے قبول نہ کرے۔ اس میں کافر اور مرتد کی تفریق نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کافر اور مرتد میں کیوں فرق کیا جانا ضروری ہے؟

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اس طرح باندھ کر (موت کی سزا کے ڈر سے) مسلمان رکھنے سے وہ شخص منافقانہ انداز زندگی بسر کرے گا جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس کا جواب پہلے لکھا جا چکا ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے اس کا دہرا دینا ضروری ہے۔ ارشاد ہے:

> قتل مرتد کو یہ معنی پہنانا بھی غلط ہے کہ ہم ایک شخص کو موت کا خوف دلا کر منافقانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہم ایسے لوگوں کیلئے اپنی جماعت کے اندر آنے کا دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں جو تلون کے مرض میں مبتلا ہیں اور نظریات کی تبدیلی کا کھیل تفریح کے طور پر کھیلتے رہتے ہیں اور جن کی رائے اور سیرت میں وہ استحکام سرے سے موجود ہی نہیں ہے جو ایک نظام زندگی کی تعمیر کیلئے مطلوب ہوتا ہے۔ (ص۵۰)

آپ اندر آنے کا دروازہ تو نہیں بند کر رہے۔ آپ تو باہر جانے کا دروازہ بند کر رہے ہیں۔ اس دروازے کے بند کر دینے کے بعد جو لوگ موت کے ڈر سے مسلمان بن کر رہیں گے۔ وہ اگر منافقت کی زندگی بسر نہیں کریں گے تو اور کیا ہوگا؟ باقی رہا یہ کہ آپ اپنی جماعت کے اندر آنے کا راستہ ان لوگوں کیلئے بند کر دینا چاہتے ہیں جو تلون کے مرض میں مبتلا ہیں۔ تو جس طرح اسلام سے کفر کی طرف جانا تلون مزاجی کی نشانی ہے اسی دلیل سے کفر سے اسلام کی طرف آنا بھی تو تلون مزاجی ہے۔ آپ کی اس دلیل کے مطابق تو (معاذ اللہ) تمام صحابہؓ تلون مزاج تھے جو اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے برعکس "رائے اور سیرت کے استحکام" کے پیکر (پناہ بخدا) ابوجہل اور ابولہب تھے جو مرتے مر گئے لیکن اپنے مذہب کو نہیں چھوڑا! حضرت! سوچئے کہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔

تیرے نشتر کی زد شریانِ قیس ناتواں تک ہے

تیسرے اعتراض کا جواب

تیسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اسلام اپنے حلقے سے باہر نکلنے والوں کو سزائے موت دیتا ہے تو اگر یہ اصول ہر مذہب نے اپنے ہاں تسلیم اور رائج کر لیا تو اس سے ہر مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں ارشاد ہے:

اس اعتراض کی بنیاد بھی غلط ہے معترضین کے پیش نظر دراصل ان "مذاہب" کا اور انہی کے پرچار کا معاملہ ہے جن کی تعریف ہم ابتدا میں کر چکے ہیں۔ ایسے مذاہب کو واقعی اپنا دروازہ آنے اور جانے والوں کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔ وہ اگر جانے والوں کیلئے بند کرینگے تو ایک بے جا حرکت کریں گے۔ لیکن جس مذہب میں فکر و عمل پر سوسائٹی اور اسٹیٹ کی تعمیر کی گئی ہو اسے کوئی آدمی جو اجتماعیات میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی تخریب اور اپنے اجزائے تعمیر کے انتشار اور اپنی بندشِ وجود کی برہمی کا دروازہ خود ہی کھلا رکھے۔ (ص۵۲)

بالکل بجا! اسے یہی مشورہ دینا چاہئے کہ وہ ان تمام عناصر کو جو اس اسٹیٹ اور سوسائٹی کے بنیادی اصولوں سے منحرف ہو چکے ہوں، زبردستی، باندھ کر اور موت کا خوف دلا کر اس سوسائٹی کے اندر محبوس رکھے۔ اس سے فی الواقعہ وہ سوسائٹی بڑی محکم اور وہ اسٹیٹ بڑی پائدار رہے گی۔ جس اسٹیٹ یا سوسائٹی میں منافقین کی جسقدر کثرت ہوگی وہ سوسائٹی یا اسٹیٹ اسی قدر محکم بنیادوں پر استوار ہوگی۔ یہ سیاست و عمرانیت کا ایک ایسا واضح اور مسلّم الثبوت اصول ہے جس سے ہر تجربی ذہن کما حقہٗ واقف ہے۔ لہٰذا مودودی صاحب کے اس جواب کی معقولیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ خود فرماتے ہیں کہ

بلاشبہ ہم نفاق کی مذمت کرتے ہیں اور اپنی جماعت میں ہر شخص کو صادق الایمان دیکھنا چاہتے۔ مگر جس شخص نے اپنی حماقت سے خود اس دروازے میں قدم رکھا جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ جانے کے لئے کھلا ہوا نہیں ہے۔ وہ اگر نفاق کی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس کو اس حالت سے نکالنے کیلئے ہم اپنے نظام کی برہمی کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ (ص۵۳)

بالکل نہ کھولئے! بعض لوگوں کے نزدیک جس پنیر (cheese) میں جتنے زیادہ کیڑے ہوں اور وہ کلبلاتے دکھائی دیتے ہوں وہ اتنا ہی زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ وہ تو انتہائی بدذوقی تھی جس نے کہدیا

کہ بو فساد کی آتی ہے بندپانی میں

قسم ہے تنگ و تاریک حجروں کی کہ ہوا اندر جسقدر کثیف ہوتی جائے، مُلا کے دماغ کو اتنی ہی زیادہ راس آتی ہے۔

چوتھے اعتراض کا جواب

اب لیجئے چوتھا اعتراض یعنی یہ کہ ایک طرف اسلام "لا اکراہ فی الدین" کا اعلان کرتا ہے اور دوسری طرف وہ مذہب کی تبدیلی پر سزائے موت کا حکم سنا دیتا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہے:

رہا تناقض کا اعتراض تو اوپر کی بحث کو بغور پڑھنے کے بعد وہ بڑی حد تک خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کیلئے مجبور نہیں کرتے اور واقعی ہماری روش یہی ہے۔ مگر جسے آکر واپس جانا ہو اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ آمد و رفت کیلئے کھلا ہوا نہیں ہے۔ . . . . . ہاں یہ اعتراض بظاہر کچھ وزن رکھتا ہے کہ اسلام جب اپنے پیروں کو تبدیلِ مذہب پر سزا دیتا ہے اور اسے ذیل مذمت نہیں سمجھتا تو دوسرے مذاہب کے پیرو اگر اپنے ہم مذہبوں کو اسلام قبول کرنے پر سزا دیتے ہیں تو وہ ان کی مذمت کیوں کرتا ہے؟ لیکن ان دو رویوں میں بظاہر جو تناقض نظر آتا ہے فی الواقعہ وہ نہیں ہے۔

بلکہ اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی رویہ اختیار کیا جاتا تو البتہ تناقض ہوتا۔ اسلام اپنے آپ کو حق کہتا ہے اور خلوص کے ساتھ حق ہی سمجھتا ہے اس لئے وہ حق کی طرف آنیوالے اور حق سے منہ موڑ کر واپس جانے والے کو ساوی مرتبہ پر ہرگز نہیں رکھ سکتا۔ (ص۵۳)

اس کے جواب میں اگر آپ یہ کہیں کہ دنیا کا ہر مذہب اپنے آپ کو حق پر کہتا ہے تو پھر ان مذاہب کو یہ حق کیوں نہیں پہنچتا کہ وہ بھی ایسی ہی روش اختیار کرلیں۔ اس کے جواب میں شاید مودودی صاحب یہ فرمادینگے کہ وہ اپنے آپ کو حق پر تو کہتے ہیں لیکن وہ "بالکل خلوص کے ساتھ" اپنے آپ کو حق پر نہیں سمجھتے۔ اس لئے اگر وہ یہی روش اختیار کرلیں تو انھیں اس کا قطعاً حق نہیں پہنچتا۔ نحن ابناء اللہ۔ ہم تو خدا کے چہیتے بیٹے ہیں۔ سونیلے بیٹوں کو ہماری برابری کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے! ہم جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر گھروں میں ڈال سکتے ہیں لیکن کسی دوسری قوم کو حق حاصل نہیں کہ وہ ہماری عورتوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کرے۔ اس لئے کہ ہم تو حق پر ہیں اس لئے جو بھی ہیں آئے کرسکتے ہیں اور لوگ حق پر تھوڑے ہیں۔ اسی طرح ہم اس شخص کو جو ہمارا مذہب چھوڑنا چاہے نہ تیغ کرسکتے ہیں لیکن دوسرے مذاہب کے لوگ قطعاً ویسا نہیں کرسکتے۔ لیجئے۔ چوتھے اعتراض کا جواب بھی مل گیا۔

تھے یہی دو حساب سو یوں پاک ہوگئے!

اگر اس پر بھی آپ مطمئن نہ ہوسکیں تو اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ایک عدد فارم ممبری پُر کرکے اسلامی جماعت کے حلقے میں شامل ہوجائیے شخصیت پرستی آپ کی عقل و بصیرت کو مفلوج کردیگی۔ اس کے بعد حضرت صاحب کا ہر ارشاد وحیِ خداوندی دکھائی دیا کرے گا پھر اطمینان ہی اطمینان ہے۔

پیدائشی مسلمان کا کیا ہوگا؟ مودودی صاحب اپنے جوابات میں بار بار کہتے چلے آئے ہیں کہ جو شخص اسلام لانا چاہے ہم اسے پہلے ہی متنبہ کردیتے ہیں کہ اگر اس کے اندر داخل ہوئے تو پھر اس سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر اس میں داخل ہونا ہے تو سوچ سمجھ کر داخل ہونا۔ ہمارے اس اعلان کے بعد جو شخص "خود اپنی حماقت سے" اس مکڑی کے جالے میں پھنس جائے، اسے اس سے نکل جانے دینا بڑی ہی بے وقوفی ہے۔

اس سے فطری طور پر ایک خیال ذہن میں آتا ہے اور وہ یہ کہ ایک ہندو کو تو آپ نے متنبہ کردیا کہ

تم نے ہونا ہو تو کھاپی کے مسلماں ہونا

لیکن ایک بچہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہیں جوان ہوتا ہے۔ وہ پیدائشی مسلمان ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ بڑا ہوکر مذہب تبدیل کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت دی جائے گی یا اسے بھی حوالۂ دار و رسن کردیا جائیگا یہ سوال بڑا اہم ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

اس کا ایک جواب اصولی ہے اور ایک عملی۔ اصولی جواب یہ ہے کہ پیدائشی اور اختیاری پیروؤں کے درمیان احکام میں فرق نہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کبھی کسی دین نے کبھی ان کے درمیان فرق کیا ہے۔

یہ تو ہوا اصولی جواب۔ عملی جواب یہ ہے:

کہ جو اندیشہ ہمارے معترضین بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت عملی دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوتا۔ . . . نئی نسلوں کی بہت بڑی اکثریت . . . . . اس نظام کے اتباع پر راضی اور اس کی وفادار بن کر اٹھتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ ان حالات میں صرف چند افراد ہی ایسے پیدا ہو سکتے ہیں جو مختلف وجوہ سے انحراف و بغاوت کا میلان لئے ہوئے اٹھیں یا بعد میں اس کا اکتساب کر لیں۔ . . . . ایسے افراد کے لئے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ یا تو ریاست کے حدود سے باہر جا کر اس سے انحراف کریں۔ . . . یا وہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالیں اور جان جوکھوں کا وہ کھیل کھیلیں جس کے بغیر کسی نظام کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد یہ فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ

> مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہونے والی اولاد مسلمان ہی سمجھی جائیگی اور قانون اسلام کی طرف سے ان کے لئے ارتداد کا دروازہ ہرگز نہ کھولا جائے گا۔ اگر ان میں سے کوئی اسلام سے پھر گیا تو وہ بھی اسی طرح قتل کا مستحق ہوگا جس طرح وہ شخص جس نے کفر سے اسلام کی طرف آکر پھر کفر کا راستہ اختیار کیا ہو۔ یہ تمام فقہائے اسلام کا متفقہ علیہ فیصلہ ہے۔ (ص ۹۹)

سن لیا آپ نے جواب؟ کیوں ہے کوئی چھٹکارے کی شکل؟ اسلام نہ ہوا مذاق ہوا! لا اکراہ فی الدین کو شہد لگا کر چاٹا کرو۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے۔ مُلا کے نزدیک اس کی کیا قیمت ہے؟ فیصلہ وہی ہے جو تمام "فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے"۔ قرآن نے جب کہا تھا کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ (یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیتے ہیں) تو یہ صرف یہود اور نصاریٰ کے لئے تھا۔ مسلمانوں کو کھلی چھٹی ہے کہ خدا کے کھلے کھلے فیصلوں کو چھوڑ کر فقہا کے فیصلوں کو دین بناتے چلے جائیں۔ انھیں کون پوچھنے والا ہے!

لیکن ہمیں حیرت ہے کہ مودودی صاحب یہیں کیوں رک گئے۔ ایک قدم آگے کیوں نہ بڑھے۔ ایک حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ ہر بچہ دین فطرت (یعنی اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ ہندو کے ہاں بھی پیدا ہو تو بھی وہ مسلمان ہی ہوگا۔ یعنی دنیا کا ہر بچہ پیدائشی مسلمان ہوتا ہے لیکن غیر مسلم ماں باپ اسے بعد میں مرتد بنا دیتے ہیں۔ اور چونکہ پیدائشی مسلمان کے مرتد ہو جانے کی سزا بھی قتل ہے اس لئے دنیا کا ہر بچہ جو غیر مسلموں کے گھر میں پیدا ہو واجب القتل ہونا چاہیئے۔ اسلئے کہ اس نے اپنے پیدائشی مذہب (اسلام) کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا ہے۔

سبحان اللہ! کیسا حسین ہے یہ اسلام جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں!

بوجد آرد زمین و آسمان را

قوت کا استعمال

یہ تو تھے اعتراضات کے جوابات۔ اس کے بعد مودودی صاحب اس مسئلہ کے ایجابی پہلو کی طرف آتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ تبدیلی مذہب کو زبردستی روکنے کے لئے قوت کا استعمال کیوں ضروری ہے۔ بحث کا یہ حصہ سب سے اہم ہے۔ اسلئے کہ وہ اصل مقصد جس کے لئے یہ سارا جال بچھایا گیا ہے یہیں پہنچ کر نمایاں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال صرف یہ ہے کہ جو ریاست کسی خطۂ زمین پر حاکمیت رکھتی ہو آیا وہ اپنے وجود کی حفاظت کے لئے ایسے افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں جو اس نظام کے درہم برہم کرنے والے ہوں؟ اس پر اگر کوئی معترض ہو تو وہ بتائے کہ دنیا میں کب ریاست نے یہ حق استعمال نہیں کیا؟ آج کونسی ریاست ایسی ہے جو اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہے؟ اشتراکی اور فاشسٹ ریاستوں کو چھوڑیئے۔ ان جمہوری ریاستوں ہی کو لیجئے جن کی تاریخ اور جن کے نظریات سے موجودہ زمانے کی دنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ . . . کیا یہ اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہیں؟ (ص۵)

انگلستان اور امریکہ کا قانون اس کے بعد انھوں نے بتایا ہے کہ انگلستان اور امریکہ کے قانون میں "تبدیلیٔ قومیت" کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے یہ امر بھی قتلِ مرتد کے جواز (بلکہ وجوب) کی دلیل ہے۔

ہم اس حصے کے متعلق کسی تفصیلی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ اس لئے کہ بفرضِ محال اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ انگلستان اور امریکہ کے قانون کی رُو سے "تبدیلیٔ قومیت" کی سزا موت ہے تو ہمارے طریقِ فکر کی رُو سے یہ چیز ایک مسلمان کیلئے دینی حجت نہیں بن سکتی۔ اگر کوئی چیز خدا کے دیئے ہوئے قانون میں موجود ہے اور وہی چیز کسی قوم نے اپنی بصیرت سے اپنے ہاں رائج کر رکھی ہے تو ہم اس چیز کو قرآن کی حقانیت کیلئے تائید اً پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز خدا کے قانون کے خلاف ہے تو اسے خواہ ساری دنیا کی اقوام بطور قانون اختیار کر لیں ایک مسلمان کے نزدیک وہ باطل ہی رہے گی، حق نہیں قرار پا جائے گی۔ اس لئے کسی ایسی بات کو بطور حجتِ دینی یا بطور دلیل و برہان پیش کرنا مودودی صاحب ہی کو زیب دے سکتا ہے ہم اس کی جرأت نہیں کر سکتے۔ یہ مسلک اپنی کا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف ان غیر مسلم اقوام کے نظام کو طاغوتی نظام بھی قرار دیا جائے اور دوسری طرف ان اقوام کے قوانین کو قرآن کے علی الرغم، بطور دلیل و حجت پیش کیا جائے۔

اس اصولی فرق کے بعد ہم اس باب میں ایک دو امور کے متعلق محض جزئی گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

> کوئی شخص خواہ پیدائشی رعایائے برطانیہ ہو یا باختیار خود برطانوی رعایا میں داخل ہوا ہو از روئے قانون یہ حق نہیں رکھتا کہ مملکت برطانوی کے حدود میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کر لے اور کسی دوسری وفاداری کا حلف اٹھائے یا جس قومیت سے وہ پہلے تعلق رکھتا تھا اس کی طرف پھر واپس چلا جائے۔ یہ حق اسے صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ برطانیہ کی حدود سے باہر ہو۔

مودودی صاحب نے اس قانون کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور نہ ہمیں اس قسم کا کوئی قانون کہیں نظر آیا ہے۔ حدود مملکتِ برطانیہ میں اس قسم کی پابندی کے متعلق ہم نے تو کبھی سنا نہیں۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص "حالتِ جنگ میں برطانوی قومیت اور کسی ایسے اسٹیٹ کی وفاداری اختیار کرے جو بادشاہ برطانیہ سے برسرِ جنگ ہو۔ یا وہ "بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے" یا بادشاہ یا ملکہ یا ولی عہد کی موت کے درپے ہو" اس کی سزا موت ہے۔ لیکن اس کے متعلق انھوں نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ یہ اس لئے کہ اس چیز کو " غدرِ کبیر "

(high treason) قرار دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بغاوت کے جرم کی سزا سے، ارتداد کے جرم کی سزا کے لئے دلیل لانا، سوال از آسماں، دلیل از ریسماں کے مرادف ہے۔ (بغاوت کے متعلق قرآن کا کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق ذرا آگے چل کر لکھا جائے گا)۔

برطانیہ اور امریکہ سے آگے بڑھ کر مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

> یہ کچھ انہی دونوں سلطنتوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ دنیا کے جس ملک کا قانون بھی آپ اٹھا کر دیکھیں گے وہاں آپ کو یہی اصول کام کرتا نظر آئے گا کہ ایک اسٹیٹ جن عناصر کے اجتماع سے تعمیر ہوتا ہے ان کو وہ منتشر ہونے سے بزور روکتا ہے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دباتا ہے جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو۔ (ص۲۵)

آپ نے غور فرمایا کہ وہ کونسی حکومتیں ہیں جو اس اصولِ سیاست و آئینِ ریاست کا ذہنی پس منظر بن رہی ہیں! اقتباس بالا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان کے دل میں (TOTALITARIAN STATE) کا تصور کروٹیں لے رہا ہے۔ دل کی گہرائیوں میں نازی ازم، فاشزم بلکہ روس کی اشتراکی آمریت چل رہی ہے اور زبان سے جمہوری حکومتوں کا نام لیا جا رہا ہے۔ دورِ حاضر کی ابلیسی سیاست کا پیدا کردہ سب سے بڑا معبود، ریاست (STATE) کا تصور ہے۔ جو کچھ کبھی خدا کے لئے کہا یا کرایا جاتا تھا اب وہ سب کچھ ریاست (state) کے نام پر کرایا جاتا ہے۔ اسٹیٹ ایک ایسی قربان گاہ ہے جس پر فرد کے خون کا ہر قطرہ بطور چڑھاوا چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس نئے مذہب میں وجود درحقیقت اسٹیٹ کا ہے، فرد کا نہیں۔ لیکن (state) ایک ایسی مجرد (abstract) شے کا نام ہے جس کی کوئی مشہود تعریف (definition) ہی نہیں ہو سکتی۔ البتہ جب آپ اسٹیٹ کا تجزیہ کریں تو وہ چھل چھلا کر نام رہ جاتا ہے، اس گروہ کا جس کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ اسٹیٹ کا بت (IDOL) جس کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

اسٹیٹ کا بُت

> یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے کہ ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے اپنے وجود اور اپنے نظام کی حفاظت کے لئے جبر اور قوت کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ حق ریاست من حیث الریاست کا ذاتی حق (inherent right) ہے۔ (ص۲۶)

غور کیا آپ نے! "ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی مقتضی ہے" یہ الفاظ ہٹلر، موسولینی اور لینن کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ جن کے نزدیک ریاست ایک جیتے جاگتے فرد کی طرح اپنا وجود رکھتی ہے جس کی ایک فطرت ہوتی ہے، اور (ہندوؤں کی کالی ماتا کی طرح)

قوت کا استعمال

اس فطرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کے لئے قوت کا استعمال کرے۔

آپ نے دیکھا کہ "قتلِ مرتد" کے وجوب کے لئے مودودی صاحب کہاں کہاں سے اسناد اور دلائل اور کس کس مقام سے جواز کے فتوے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لا رہے ہیں۔ مقصد تو اپنی بات کے لئے دلیل لانا ہے، اس سے کیا غرض کہ وہ دلیل آتی کہاں سے ہے۔

مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

دلیل کا وزن بھی ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ "یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے" یعنی کسی قاعدے کے برسرِ حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ "عالمگیر مقبولیت" رکھتا ہو۔ یہ وہی "عالمگیر مقبولیت" ہے جس کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔ ان یتبعون الا الظن۔ وان ھم الا یخرصون (۶/۱۱۷)

اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں خود مودودی صاحب لکھتے ہیں:

یعنی بیشتر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں علم کے بجائے قیاس و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کے عقائد، تخیلات، فلسفے، اصولِ زندگی اور قوانینِ عمل سب کے سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ بخلاف اس کے اللہ کا راستہ، یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے، لازماً صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے، نہ کہ وہ جس کو لوگوں نے بطور خود اپنے قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔ لہٰذا کسی طالبِ حق کو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستے پر جا رہے ہیں بلکہ اسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنا چاہئے جو اللہ نے بتائی ہے۔ چاہے اس راستے پر چلنے کے لئے وہ دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے۔ (تفہیم القرآن۔ ص ۵۷۴-۵۷۵)

لیکن یہ باتیں تو صرف تفسیروں میں لکھنے کی ہیں۔ عمل تو اس اصول پر ہونا چاہئے کہ اگر اپنے مطلب کے مطابق بات، کتاب اللہ سے ملتی ہے تو اسے بطور دلیل پیش کر دیا جائے اور اگر اس کی بجائے (بلکہ اس کے خلاف) دنیا کا کوئی "عالمگیر مقبولیت" والا قاعدہ سامنے آتا ہے جس سے اپنا مقصد پورا ہوتا ہو تو اسے بطور شہادت پیش کر دیا جائے!

بہرحال، مودودی صاحب نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اسٹیٹ کو حق حاصل ہے (اور یہ حق اس کا ذاتی ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا) کہ وہ اپنے وجود اور نظام کی حفاظت کے لئے جبر اور قوت استعمال کرے۔ اور چونکہ تبدیلیٔ مذہب سے اسٹیٹ کے وجود کی حفاظت مخدوش ہو جاتی ہے اس لئے اسٹیٹ کو حق حاصل ہے کہ اس تبدیلی کو موت کی سزا کے خوف اور تلوار کی قوت سے روکے۔

اس مسئلہ کے بعد (جس کے ثبوت میں کوئی قرآنی دلیل نہیں پیش کی گئی۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی) مودودی صاحب نکھر کر سامنے آتے ہیں اور صاف صاف الفاظ میں بتاتے ہیں کہ اس قوت کے استعمال کا حق کیسے حاصل ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسٹیٹ کو حق حاصل ہے کہ وہ "جن عناصر کے اجتماع سے تعبیر ہوتا ہے ان کو وہ منتشر ہونے سے بزور روکے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دبائے جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو"۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ (مثلاً) حکومتِ پاکستان نے مودودی صاحب کو اگر جیل خانے بھجوا دیا تھا تو وہ بھی اسی مسئلہ کے تحت تھا جسے عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اور جس کے مطابق اسٹیٹ کا یہ ذاتی حق ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے انتشار پیدا کرنے والے عناصر کو بزور روکے۔

لیکن

لیکن قوت کے استعمال کا حق صرف ....

یہاں پہنچکر مودودی صاحب واضح الفاظ میں کہدیتے ہیں کہ نہیں! یہ حق ہر اسٹیٹ کے کارندوں کو نہیں پہنچتا۔ یہ حق صرف انھیں پہنچتا ہے جو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے ذمے دار ہوں۔ یہ حق حکومتِ پاکستان کو نہیں پہنچتا۔ یہ حق صرف اسلامی حکومت اور ان کے امیر کو پہنچتا ہے، کیونکہ ان کے ہاتھوں سے جو حکومت قائم ہوگی وہ حق کی حکومت ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

> ہمارے نزدیک خدا کی حاکمیت کے سوا ہر دوسری حاکمیت یا ریاست کی تعمیر سرے سے ناجائز ہے۔ اس لئے جو ریاست بجائے خود ناجائز بنیاد پر قائم ہو اس کیلئے ہم اس بات کو جائز تسلیم نہیں کرسکتے کہ وہ اپنے ناجائز وجود اور غلط نظام کی حفاظت کے لئے قوت استعمال کرے۔ . . . . (اپنے وجود کی حفاظت کیلئے جبر اور قوت کا استعمال کرنا ریاست کا ذاتی حق ہے۔ لیکن) اگر کوئی چیز اس حق کو باطل بنا سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جو ریاست اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو وہ آپ ہی باطل پر قائم ہوئی ہو۔ اسلئے کہ باطل کا وجود بجائے خود ایک جرم ہے اور اگر وہ اپنے قیام و بقا کے لئے طاقت سے کام لیتا ہے تو یہ شدید تر جرم ہو جاتا ہے۔ (ص۶۶)

دیکھا آپ نے کہ "قتلِ مرتد" کی تان کہاں آکر ٹوٹی ہے؟ یعنی

(i) ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کو بہ جبر اپنے حلقۂ اقتدار میں رکھے۔

(ii) لیکن یہ حق صرف اس ریاست کو حاصل ہے جو حق پر قائم ہوئی ہو۔

(iii) حق پر وہی ریاست قائم ہوتی ہے جس میں شریعت کا نظام رائج ہو۔

(iv) نظامِ شریعت ملا کے ہاتھوں رائج ہو سکتا ہے۔

(v) آج یہ نظام اسلامی جماعت کے ہاتھوں قائم ہوگا۔ اس لئے

(vi) جب زمامِ اقتدار اسلامی جماعت کے ہاتھ میں آئیگا تو انھیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ہر اس عنصر کے خلاف جو ان کی دانست میں اس نظام کے انتشار کا باعث ہو قوت اور جبر کا استعمال کریں۔

دیکھا آپ نے کہ بات کہاں سے چلی اور کہاں جا پہنچی؛ اور اس بحر کی تہ سے اچھل کر کیا نکلا؟ اسی لئے تو کہتے تھے کہ

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبے کا اٹھا واعظ　　کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے!

قتلِ مرتد کی روایات کیوں وضع ہوئیں؟

اب آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ قرآن کی ایسی واضح تعلیم اور اتنے کھلے کھلے احکام (بابت آزادئ مذہب) کے علی الرغم، قتلِ مرتد سے متعلق روایات کیوں وضع کی گئیں! صاف ظاہر ہے کہ جب تک یہ مقدس بنیاد نہ تیار کی جاتی اس پر استبداد اربابِ شریعت کی یہ قہرمانی عمارت کبھی تعمیر نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ سب کچھ

اس لئے کیا گیا کہ قوت کو اپنے ہاتھ میں رکھا جائے۔ لیکن اس "مقدس استبداد" کی تفصیل سننے سے پہلے مختصراً یہ دیکھتے جائیے کہ قوت کسے کہتے ہیں۔ حکومت کا تصور کس طرح وجود میں آیا اور قرآن نے اس کا کیا علاج کیا۔ اس کے بعد یہ سمجھ میں آجائے گا کہ "قتل مرتد" سے حقیقی مفہوم کیا تھا۔

انسانی تاریخ کے صفحات کو دیکھئے۔ یہاں سے وہاں تک ایک مسلسل داستان نظر آئیگی حاکم و محکوم اور صید و صیاد کی۔ جن لوگوں نے کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کر لیا انھوں نے دوسروں کو اپنی محکومیت کے پنجے میں جکڑ لیا اور اس کے بعد . . . . . .

ملوکیت اور پیشوائیت ہر حربہ استعمال کیا اس مقصد کے لئے کہ جو ایک دفعہ محکوم ہو چکا ہے وہ حلقۂ محکومیت سے نکلنے نہ پائے۔ اس مقصد کے لئے ملوکیت نے انسانی جسم کے لئے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بنوائیں اور پیشوائیت (priesthood) نے انسانی ذہن کی جکڑ بندیوں کے لئے عقیدت و ارادت کے دام ہمرنگ زمین تیار کئے۔ ان دونوں کے باہمی سمجھوتے نے راجہ کو ایشور کا اوتار، بادشاہ کو ظل اللہ اور کنگ کو حقوقِ خداوندی (divine rights) کا حامل بنا دیا۔ تاج کی وفاداری اور تخت کی اطاعت شعاری "فرائض خداوندی" قرار پا گئے۔ مغرب میں جب بادشاہت کی شخصی حکومت کے خلاف احتجاج ہوا تو وہاں کے سیاست دانوں نے پرانی اصطلاحوں کی جگہ چند جدید اصطلاحات وضع کیں اور اس طرح عوام کو فریب دیدیا کہ حاکمیت کا استبداد کہن، سلطانیٔ جمہور میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس نظریے کی تبدیلی کے بعد انھوں نے پرانے بتوں (idols) کی جگہ نئے نئے بت تراشنے شروع کئے۔ اب تخت و تاج کی جگہ وطن (my country) نے لے لی۔ یہ جمہوریت کی اصطلاح تھی۔ اس کے برعکس totalitarian state کی فاشزم نے وطن کی جگہ ریاست (state) کی اصطلاح وضع کی: "ریاست یا مملکت افراد سے بلند ہے"۔ "افراد کی ہستی ریاست کے لئے ہے"۔ "ریاست ذاتی حقوق (inherent rights) کی مالک ہے جو اس سے کسی صورت میں بھی چھینے نہیں جا سکتے۔ جو ان حقوق میں دخل اندازی کا ارادہ کرے، وہ غدار ہے۔ باغی ہے۔ ریاست کو حق حاصل ہے کہ اسے فنا کے گھاٹ اتار دے۔ ریاست کی حفاظت کے لئے سب کچھ جائز ہے۔ جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ریاست (state) ایک مجرد اصطلاح (abstract term) ہے جس کی آج تک کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اسٹیٹ بالآخر کہتے کسے ہیں۔ ان سیاسی مہرہ بازوں نے عوام کو اس مجرد اصطلاح کے گورکھ دھندے میں الجھا دیا اور اس کے پردے میں وہ سب کچھ کرتے چلے گئے جو ملوکیت کیا کرتی تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ملوکیت کے دور میں لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ان پر جور و استبداد کس کی طرف سے ہو رہا ہے، لیکن اب یہ صورت ہو گئی کہ قتل ہو رہے ہیں اور کچھ معلوم نہیں کہ قاتل کون ہے اور خون بہا کس کے ذمے ہے۔ یہ سب کچھ اسٹیٹ کے لئے ہوتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اسٹیٹ کہتے کسے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ جس طرح ذہن انسانی کے عہد طفولیت میں، پیشوائیت نے دیوتاؤں کا وجود پیدا کیا تھا اور ان کے نام پر سب کچھ روا رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح عہد جدید میں اسٹیٹ کے وجود کا بت تراشا گیا ہے۔ صرف الفاظ بدلے ہیں، روح وہی ہے۔

قرآنی انقلاب

قرآن نے آکر کہا کہ حاکم اور محکوم کا تصور ہی باطل ہے۔ انسانوں کو مل جل کر رہنا ہے۔ اس کیلئے انھیں ایک معاشرتی نظام کی ضرورت ہے۔ یہ معاشرتی نظام دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ جسے انسان اپنے قیاسات کی رُو سے قائم کریں۔ دوسرے وہ جسے وحی کے عطا فرمودہ اصولوں کی روشنی میں قائم کیا جائے۔ وحی کی رُو سے قائم کردہ معاشرہ کا نام اسلامی زندگی ہے۔ قرآن نے بتایا کہ اسلامی معاشرے کے قیام کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ بغیر کسی جبر و اکراہ کے اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ فی الواقعہ وحی کی رُو سے قائم ہونے والا معاشرہ، انسانی زندگی کے لئے بہترین معاشرہ ہے، وہ (اس اشتراکِ ایمان کے رشتے میں منسلک ہو کر) باہمی نظم و ربط پیدا کریں۔ اس سے اس معاشرے کا وجود عمل میں آجائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس معاشرہ کی بنیاد ایمان پر ہے۔ پھر سن لیجئے کہ ایمان سے مراد ہے اس حقیقت کو بطیب خاطر تسلیم کرنا کہ انسانی زندگی کے لئے صحیح معاشرہ وہی ہے جو وحیٔ خداوندی کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ چونکہ اس معاشرہ کی بنیاد ہی ایمان (idcology) پر ہے اور ایمان

اسلامی نظام کی بنیاد دل کی رضامندی پر ہے

صرف اس وقت ایمان کہلا سکتا ہے جب وہ دل کی رضامندی سے قبول کیا جائے۔ اس لئے اس معاشرہ کے قیام میں جبر و اکراہ کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اس معاشرہ کے افراد اپنے دل کے فیصلے سے اس نظام کے اجزا بنتے ہیں۔ اس لئے جس طرح وہ شخص اس نظام کا جزو نہیں بن سکتا جس کا دل اس نظام کی اصلحیت کی گواہی نہ دے۔ اسی طرح وہ شخص بھی اس نظام کا جزو نہیں رہ سکتا جو اس نظام میں داخل تو ہو جائے لیکن اس کے بعد اس کا دل اس کی اصلحیت سے مطمئن نہ ہو۔ قرآن جس طرح اول الذکر کو اس نظام کا جزو بننے پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح ثانی الذکر کو بھی زبردستی اس نظام کا جزو بنے رہنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس لئے کہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اس نظام کی بنیاد ہی دل کی رضامندی (ایمان) پر ہے۔ جہاں جبر آیا، یہ نظام ٹوٹا۔ جبر سے محکوم تو اکٹھے رکھے جا سکتے ہیں، ایک صالح نظام کے اجزا یکجا نہیں رکھے جا سکتے۔ ایک صالح نظام کے افراد کا باہمی تعلق، ائتلاف قلب سے ہوتا ہے یعنی دل و نگاہ کی ہم آہنگی اور یک رنگی۔ یہ ظاہر ہے کہ قلب و نگاہ کی ہم آہنگی جبر سے پیدا ہی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ سے کہدیا کہ دلوں کی یک رنگی (ائتلاف قلوب) جو اس نظام کے افراد کی خصوصیت ہے، صرف ایمان سے پیدا ہو سکتی ہے۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم (۸/۶۳) اگر تو جو کچھ زمین میں ہے، سب کچھ خرچ کر دیتا، تو بھی ان کے دلوں میں ائتلاف پیدا نہ کر سکتا۔ جو افراد قلبی ہم آہنگی کے بجائے دیگر مقاصد کی خاطر ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں ان کے متعلق قرآن نے بتایا کہ تحسبھم جمیعاً وقلوبھم شتّٰی (۵۹/۱۴) تو انھیں اکٹھا سمجھتا ہے حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں۔ اور جن لوگوں کو زبردستی باندھ کر رکھا جائے ان کا اس طرح اکٹھا رہنا، منافقت کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ بطیب خاطر نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ اس نظام کے اجزا کس طرح بن سکتے ہیں جس نظام کی بنیاد ہی قلبی ہم آہنگی پر ہو۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ جن لوگوں کا اس نظام کی اصلحیت پر ایمان نہ رہے، انھیں نظام سے نکل جانے دیجئے۔ ان کی جگہ خدا ایسا گروہ لے آئے گا جس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہوں گی جن سے اس نظام کا قوام تیار ہوتا ہے۔ سنئے کہ

وہ خصوصیات کیا ہیں۔ فرمایا:

یا یھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ۔ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین۔ یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ واللہ واسع علیم (۵/۵۴)

اے ایمان والو۔ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا۔ تو قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کر دے گا جنھیں خدا دوست رکھے گا اور وہ خدا کو دوست رکھیں گے۔ مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم۔ لیکن کفار کے مقابلے میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جان لڑا دینے والے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرمادے۔ وہ اپنے فضل میں بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔

ذرا سوچئے کہ اگر ان لوگوں کو جو دل سے اس نظام کے اجزا بن کر نہ رہنا چاہیں موت کے خوف سے اس نظام کے جزو بنے رہنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان خصوصیات کے حامل ہو سکیں گے کہ

(۱) وہ خدا کو دوست رکھیں۔

(۱۱) اپنی جماعت کے دیگر مخلص ارکان کے ساتھ ان کا سلوک نہایت نرم روی اور محبت قلبی کا ہو۔

(۱۱۱) جماعت کے مخالفین کے مقابلے میں نہایت سخت ہوں۔

(۱۷) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ اور

(۷) خدا کی راہ میں جانیں لڑا دیں۔

اس لئے ایسے لوگ کبھی اسلامی نظام کے اجزا بنا کر نہیں رکھے جا سکتے۔ اسلامی نظام کے اجزا صرف انہی کو قرار دیا جا سکتا ہے جو ان خصوصیات کے حامل ہوں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اسلام یقیناً اپنے نظام کا تحفظ چاہتا ہے، لیکن اس کے تحفظ کی

قلبی اطاعت

قوت کار از افراد ملت کے ایمان محکم میں ہوتا ہے جو دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے۔ جن لوگوں کو زبردستی ملت کے ساتھ باندھ کر رکھا جائے ان کا وجود نظام کے استحکام کی بجائے، اس کی سخت کمزوری کا باعث ہوتا ہے اس کا کسی زمانے میں خود مودودی صاحب کو بھی اقرار تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "الجہاد فی الاسلام" میں لکھتے ہیں (جو ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی)۔

اگر کوئی شخص سر پر تلوار چمکتی ہوئی دیکھ کر لا الہ الا اللہ کہدے مگر اس کا دل بدستور ماسوا اللہ کا بتکدہ بنا رہے تو یہ تصدیق بالقلب کے بغیر اقرار باللسان اس کے لئے کچھ بھی نافع نہیں اور اسلام کے لئے اس کی حلقہ بگوشی قطعاً بیکار ہے۔ دین تو خیر بڑی چیز ہے۔ دنیا کی معمولی تحریکیں بھی جن کا منشا محض دنیوی مقاصد کا حصول ہوتا ہے اپنی کامیابی کیلئے ایسے پتلوں پر کبھی بھروسہ نہیں کر سکتیں، جو صرف زبان سے ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوں مگر دل سے ان کے موید نہ ہوں۔ بیدل

> غیر مخلص اور جھوٹے پیروں کو لیکر آجتک کسی تحریک نے کامیابی کا منہ نہیں دیکھا ہے اور یقیناً ایسے گوشت پوست کے لوتھڑوں کو لیکر جو صداقت کی روح سے بالکل خالی ہوں کوئی شخص دنیا کے میدانِ مسابقت میں قدم رکھنے کی جرأت اور فوز و فلاح تک پہنچنے کی امید نہیں کر سکتا۔ پھر بھلا غور کرو کہ جس دین کے پیش نظر دنیا کی کامیابی نہیں بلکہ آخرت کی فوز و فلاح ہو، جو دین نیت اور اعتقاد کو عمل کی بنیاد قرار دیتا ہو، جو دین خلوص و صداقت کی روح کے بغیر عمل کی کوئی قیمت نہ سمجھتا ہو۔ ۔ ۔ ۔ کیا ہو سکتا تھا کہ وہ خلوص و صداقت کو چھوڑ کر مجبورانہ اطاعت اور بے چارگی کے اقرار پر قناعت کرتا؟ ۔ ۔ ۔ اگر وہ ایسا کرتا تو کیا اسے وہ کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جو اس نے فی الحقیقت حاصل کی ہے؟ (ص ۱۲۴-۱۲۵)

یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ خلوص و صداقت اور تصدیق قلب سے تمہاری آئیڈیالوجی کے مؤید نہ رہیں ان کی مجبورانہ اطاعت اور بے چارگی کے اقرار کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس لئے انھیں اس قسم کی اطاعت پر مجبور کر کے اپنے نظام کا جزو بنائے رکھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ان سے کہدو کہ تمہارے جانے سے اس نظام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس نظام کی تقویت کا راز ان لوگوں کے ایمان میں ہے جن کی کیفیت یہ ہے کہ یحبهم و یحبونه ۔ ۔ ۔ یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم۔ (۵/۵۴)

دنیا کی سٹیٹ اپنی حفاظت کیلئے بیشک ایسے جیوش و عساکر اپنے ساتھ رکھتی ہیں جنھیں بنوکِ شمشیر باندھ کر ساتھ رکھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن انھیں فرعونی اسٹیٹ اور طاغوتی نظام قرار دیتا ہے۔ اسلامی نظام اور قرآنی اسٹیٹ میں جور و تغلب اور جبر و اکراہ کو کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ یہ اسٹیٹ ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو اس راہ میں سر جھکانے سے پہلے دل جھکا چکے ہوتے ہیں۔ لہذا جس کا دل اس اسٹیٹ کے بنیادی تصورات سے سرکشی اختیار کر چکا ہو وہ اس اسٹیٹ کے اجزائے ترکیبی میں شامل نہیں رہ سکتا۔ اس اسٹیٹ میں اس کا مقام وہی ہے جہاں اس قسم کے افراد رہتے ہیں جن کا دل اس اسٹیٹ کی آئیڈیالوجی کا قائل نہیں لیکن وہ اس کے سایۂ امن و عاطفت میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انھیں ذمی یا مستامن کہا جاتا ہے۔ البتہ اگر یہ لوگ (خواہ منافقانہ طور پر نظامِ ملت کے

بغاوت کی سزا

اجزاء رہتے ہوئے یعنی مسلمان کہلاتے ہوئے۔ اور خواہ کفر کی آغوش میں آکر ذمی بنکر رہتے ہوئے) اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کریں تو ان کا دفعیہ بزورِ شمشیر کیا جائے گا۔ قرآن نے اس باب میں واضح حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض. ذالك لهم خزیٌ فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم (۵/۳۳)

بلاشبہ جو لوگ خدا و رسول (یعنی اسلامی نظام) کے خلاف جنگ کریں اور ملک میں فساد برپا کریں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ یا سولی پر چڑھا دیا جائے۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں (یا انھیں الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دی جائیں) یا ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کیلئے عذاب عظیم ہے۔

یعنی قرآن کی رو سے بغاوت کی سزا موت ہے یا دوسری سزاؤں میں سے کوئی سزا جسے اقتضائے حالات کے مطابق مناسب سمجھا جائے۔ بغاوت کی صورت میں بھی قرآن نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ اگر باغی گرفتاری سے قبل اپنے فعل سے پشیمان ہو کر تائب ہو جائیں تو انھیں معاف کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آیۂ ماسبق سے متصل یہ آیت ہے۔

الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم (۵/۳۴)

لیکن اگر وہ قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پا لو توبہ کر لیں تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مرتد اور باغی میں فرق آپ نے غور فرمایا کہ قرآن نے مرتد اور باغی کو الگ الگ صفوں میں رکھا ہے۔ مرتد وہ ہے جسے اسلامی آئیڈیالوجی سے اختلاف ہو جائے لیکن وہ اس کے بعد مملکت کا امن پسند شہری بنکر رہنا چاہے۔ قرآن کی رُو سے اس کی کوئی سزا نہیں کیونکہ اسلامی آئیڈیالوجی سے اختلاف رکھنا کوئی جرم نہیں۔ اس کے برعکس باغی وہ ہے جو اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ جرم ہے اور اس کی سزا قرآن نے مقرر کر دی ہے۔ مودودی صاحب نے قتلِ مرتد کے وجوب میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں وہ درحقیقت مملکت کے خلاف بغاوت سے متعلق ہیں۔ (آپ ایک بار پھر ان کے پیش کردہ دلائل کو سامنے لائیے، بات واضح ہو جائے گی)۔ اس طرح انھوں نے دونوں (بغاوت اور ارتداد) میں التباس پیدا کر کے قتلِ مرتد کو (بزعمِ خویش) عقلاً بھی ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ جو کچھ انھوں نے ثابت کیا ہے وہ فقط یہ ہے کہ دنیا کی کوئی مملکت بغاوت کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اسلامی مملکت بھی باغیوں کو کھلا نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ قرآن میں اس کے متعلق واضح حکم موجود ہے۔ لیکن اس آیت کو انھوں نے کہیں درج نہیں کیا۔ اس لئے کہ اگر اسے درج کر دیتے تو پڑھنے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن باغی اور مرتد میں فرق کرتا ہے اور مودودی صاحب باغیوں سے متعلق دلائل و احکام کو مرتدین سے چپکا کر اپنے دعوے کا اثبات چاہتے ہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد یا افراد کا گروہ، اسلام سے ارتداد کے ساتھ ہی مملکت کے خلاف بغاوت بھی شروع کر دے۔ اس صورت میں ان کی سرکوبی، جرمِ بغاوت کی بنا پر کی جائے گی نہ کہ ارتداد کی وجہ سے۔ اگر تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا کوئی واقعہ ایسا ملتا ہے جس میں "مرتدین" کے خلاف جنگ کی گئی ہو تو اس کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان مرتدین نے بغاوت بھی کی ہوگی۔ جس کی بنا پر ان کے خلاف اس قسم کی کاروائی کی گئی۔ اس لئے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کہ صحابہ کبارؓ کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ انھوں نے قرآن کی ایسی واضح تعلیم کی اس قدر کھلی ہوئی مخالفت کی ہوگی۔ مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات اس کی جرأت کریں تو کریں، ہم تو ایسا نہیں کر سکتے۔

پھر کیا ہوا؟ یہ ہے نقشہ اس نظام کا جس کی تشکیل قرآن چاہتا ہے۔ یعنی ان افراد پر مشتمل نظام جو اس نظام کے اساسی اور بنیادی اصولوں کو نصب العین حیات قرار دے چکے ہوں اور بطیب خاطر اس نظام کے قیام کو

اپنی زندگی کا مقصد بنا چکے ہوں۔ اس نظام میں جبر اور استبداد کا سوال تک ہی پیدا نہیں ہوتا۔ طاغوتی نظام اور قرآنی نظام میں یہی تو فرق ہے۔ یہ نظام رسول اللہؐ اور صحابہؓ نے قائم کیا لیکن جب خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو اسلامی نظام کا یہ نقشہ بھی یکسر بدل گیا جس میں نظام کی تشکیل بطیبِ خاطر اور برضا و رغبت ہوتی تھی۔ اب حاکم و محکوم کی تفریق پھر پیدا ہو گئی اور پھر وہی جبر و اکراہ شروع ہو گیا۔ ملوکیت کے ساتھ ہی ثنویت (dualism) بھی آ گئی اور دین، سیاست اور مذہب میں بٹ گیا۔ سیاست کے علمبردار ارباب حکومت تھے اور مذہب کے نمائندے ارکانِ شریعت۔ ارباب شریعت نے دیکھا کہ بادشاہ کے خلاف سرکشی کی سزا تو قتل ہے لیکن ان کے خلاف سرکشی کی کوئی سزا ہی نہیں۔ وہ اسے برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ بادشاہ کو تو اتنے اختیارات حاصل ہو جائیں، اور ارباب شریعت خالی فتوے دینے کیلئے رہ جائیں۔ انھوں نے سوچا کہ مذہب کے خلاف سرکشی (ارتداد) کی سزا بھی موت ہونی چاہیے۔ قرآن سے تو اس کی سند مل نہیں سکتی تھی اس لئے انھوں نے وہی کیا جو ایسی صورت میں مذہب کے دوسرے گوشوں میں کیا گیا تھا۔ اس کے لئے آسانی سے چند روایات وضع کیں اور انھیں منسوب کر دیا حضور رسالتمآبؐ کی طرف۔

وضع روایات

لیجئے! اربابِ مذہب کے اختیارات، اربابِ حکومت سے بھی بڑھ گئے۔ آپ شاید دل میں سوچیں کہ ان کے اختیارات، اربابِ حکومت سے کس طرح بڑھ گئے؟ یہ بھی سن لیجئے۔

اس وقت تک آپ یہی سمجھتے چلے آئے ہوں گے کہ مرتد کے معنی ہیں وہ شخص جو اس امر کا اعلان کر دے کہ میں اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی مسلمان کے بجائے کافر ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مودودی صاحب نے بھی اپنے مقالہ میں اس امر کی بڑی احتیاط برتی ہے کہ قارئین کا ذہن اس مفہوم کے علاوہ کسی اور مفہوم کی طرف منتقل ہی ہونے نہ پائے۔ لیکن ارباب شریعت کے نزدیک مرتد کی صرف یہی تعریف definition نہیں۔ آپ آئے دن پڑھتے ہوں گے کہ فلاں صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ اس خبر سے نہ تو آپ پر کوئی خاص اثر ہوتا ہے نہ اس شخص پر جس پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے۔ بلکہ کفر کے فتووں نے اب مذاق کی شکل اختیار کر لی ہے لیکن "اسلامی حکومت" (یعنی مسلمان بادشاہوں کی حکومت) میں کفر کا فتویٰ مذاق نہیں تھا۔ جس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا تھا، وہ مرتد سمجھ لیا جاتا تھا اور مرتد کی سزا قتل تھی۔ اس لئے کفر کے فتوے سے سزائے موت واجب ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا تھا اس کا خون مباح ہو جاتا تھا۔ آپ فقہ کی کتابوں میں دیکھئے۔ لمبی چوڑی بحثیں اس موضوع پر ملیں گی کہ ایک مسلمان کس طرح "عقائد" کے ذرا ذرا سے اختلاف پر کافر (یعنی مرتد) ہو جاتا ہے۔

مرتد کون ہے؟

اب آپ سوچئے کہ مُلّا کے اختیارات زیادہ وسیع تھے یا بادشاہ کے؟ بادشاہ کو جرم بغاوت ثابت کرنے کیلئے پھر بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا لیکن مُلّا کے لئے تکفیر کا بہانہ کچھ دشوار نہ تھا۔ اس کیلئے فقط اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ فلاں شخص کے عقائد صحیح نہیں۔ یا اس کا فلاں عقیدہ، جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا اور اسے سرِ بازار قتل کر دیا جاتا۔ نہ کوئی وکیل نہ کہیں اپیل۔ یہ صورتِ حالات بادشاہوں کے لئے بھی بڑی مفید تھی۔ وہ اگر کسی کو اپنی مصلحتوں کی بنا پر قتل کرنا چاہتے لیکن اس کے خلاف کوئی سنگین جرم ثابت نہ کر سکتے تو مُلّا سے اس کے کفر کا فتویٰ لے لیا جاتا اور اس کے بعد اسے آسانی سے حوالۂ دار و رسن کر دیا جاتا۔ شریعتؐ کی رُو سے باغی کو تو امان بھی دی جا سکتی تھی لیکن مرتد کیلئے کہیں امان کی جگہ نہ تھی۔ نیز اس کے قتل کے خلاف کوئی اور شخص بھی زبان تک

نہیں ہلا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسا کرنا "شریعت" کی تنقید و تنقیص تھی اور اس کی سزا بھی موت! اس کفر سازی نے کیا قیامت ڈھائی ہے، اس کا اندازہ لگانا ہو تو (خلافت کے بعد) مسلمانوں کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ اس کا کونسا صفحہ ہے جو خون کے دھبوں سے داغدار نہیں؟ اس میں ایک ایک عقیدہ کے نام پر خود مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کو جس بیدردی اور بے دریغی سے قتل کیا ہے، کفار کی مسلح کوششوں نے بھی ان کے ساتھ ایسا نہ کیا ہوگا۔ نہایت راستباز نکوکار، خداترس مسلمان ہے لیکن اسے ایک جزئی سے عقیدے میں اختلاف ہے۔ بس اس اختلاف سے کفر کا فتویٰ لگا، اس فتوے نے اسے مرتد قرار دیدیا اور ملا کی کند چھری سے اسے ذبح کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر ایک عقیدہ "خلق قرآن" کو لیجئے۔ معتزلہ نے جب تنزیہہ ذات اور نفی صفات کا عقیدہ نکالا تو اس سے یہ سوال پیدا ہوا کہ قرآن (کلام اللہ) مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اس وقت شاید آپ کہیں کہ بالآخر یہ سوال ہی کیا تھا جسے اس طرح اٹھایا گیا لیکن تاریخ کے اوراق سے پوچھئے کہ اس ایک سوال نے خون ناحق کی کسقدر ندیاں بہادیں؟ دوسری صدی ہجری میں جعد بن درہم نے قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کی پیروی میں جہم بن صفوان نے اس کا اعلان کیا۔ محدثین نے اس قول کو اسلام کے خلاف قرار دیا اور اس عقیدے کے حاملین کو مرتد ٹھہرایا۔ اس جرم کی سزا میں خالد بن عبداللہ قسری والئ عراق نے جعد کو عید اضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا۔ اور جہم کو سلمہ بن احوز نے مرو میں قتل کر ڈالا۔ مامون الرشید کے عہد میں حالات نے پلٹا لیا اور وہ خود اور اس کے درباری قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہوگئے۔ اب محدثین پر کفر کے فتوے لگنے شروع ہوئے اور وہ جرم ارتداد کی سزا میں قتل ہونے لگے۔ اکثر علماء نے مجبوراً قرآن کو مخلوق کہہ کر اپنی جانیں بچائیں لیکن بہت سے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر سخت ترین اذیتیں جھیلنے اور موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ انہی میں امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت بھی تھی۔ امام صاحب کو جس طرح قید و بند کے عذاب میں مبتلا رکھا گیا اس کے تصور سے روح کانپتی ہے۔ انھیں دربار میں بلا کر کوڑوں سے پٹوایا جاتا تھا اور جب وہ بیہوش ہو جاتے تو پھر قید خانے میں بھجوا دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک دن، دو دن نہیں بلکہ پورے اڑھائی سال تک جاری رہا۔ معتصم (مامون الرشید کا جانشین) ان سب لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے لیکن امام صاحب کے قتل کی جرأت اس نے نہیں کی کیونکہ ان کے ساتھ عوام کی عقیدت بہت گہری تھی۔ معتصم کے جانشین، واثق نے بھی خون کی ان ندیوں میں اضافہ کیا، حتیٰ کہ احمد بن نصر کو اسی عقیدے کی بنا پر خود اپنے ہاتھ سے قتل کر کے "ثواب عظیم" کا مستحق بنا۔ احمد کے جسم کو سامرا میں سولی پر چڑھایا گیا اور اس کے سر کو بغداد بھیج دیا۔ کان میں ایک رقعہ لٹکا دیا جس میں لکھا تھا:

خونِ ناحق کی ندیاں

یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المومنین نے بغرض تقرب الٰہی اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔

غرض خدا کر کے متوکل نے اس وحشت و بربریت کو ختم کیا اور محدثین کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مامون سے واثق تک تین "خلفاء" کے زمانے میں یہ ایک جزئی اختلاف جسقدر خونریزی اور غارت گری کا موجب بنا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس وحشت و بربریت کا شرعی جواز وہ چند روایات تھیں جو قتل مرتد کے وجوب میں وضع کر لی گئی تھیں۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جسے مسلمانوں کی تاریخ میں اسلام کا درخشندہ عہد کہا جاتا ہے یعنی عباسیوں کا "دور" اور عباسیوں میں بھی مامون الرشید کا زمانہ۔ جب اسقدر "مہذب زمانے" میں

جب کہ علم وفضل کا چرچا عام تھا اور اسلامی تہذیب وتمدن اپنے عہدِ شباب پر تھا، فتنۂ تکفیر اور ارتداد کی پیدا کردہ سبعیت وبہیمیت کا یہ عالم تھا، تو مسلمانوں کے تاریک عہد میں جو کچھ ہوتا ہوگا اس کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ ارتداد کے الزام کے ڈر سے لوگوں کی حالت یہ ہوجاتی تھی، انھیں اپنے جیب میں عقائدِ صحیحہ کا سارٹیفکیٹ رکھنا پڑتا تھا کیونکہ ملا کے اس سارٹیفکیٹ کے بغیر ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ نہ جانے کس وقت کوئی کفر کا فتوے لگادے اور سر بھٹے کی طرح اڑ جائے۔ پادریوں کے مظالم کی شہادت میں یورپ کے مذہبی احتساب inquisition کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن خود ہماری تاریخ میں عقائد کے اختلاف کی بنا پر جسقدر ظلم کیشیاں اور ستم رانیاں ہوئی ہیں، وہ پادریوں کے "احتساب" سے کچھ کم نہیں۔

سب سے بڑا نقصان

"ارتداد" کے نقاب میں امتِ مسلمہ کے اس قدر بے گناہ افراد کا خونِ ناحق بھی کچھ کم نقصان نہیں۔ لیکن اس "مذہبی تشدد" سے ایک نقصان اس سے بھی کہیں زیادہ ہوا۔ قرآن کریم نے قدم قدم پر تدبر وتفکر، اور تحقیق وتدقیق کی تاکید کی ہے۔ اس سے قرآنی حقائق ہر زمانے میں بے نقاب ہوتے تھے۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنی تعلیم کی صداقت ثابت کرنے کا طریق بنایا تھا۔ لیکن جب اربابِ مذہب نے یہ حکم صادر کر دیا کہ جو شخص کوئی ایسی بات کہے جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو، تو اسے مرتد قرار دے دیا جائے گا، تو قرآن پر غور وتدبر کا دروازہ بند ہوگیا اور اُمت کے ذہن پر تقلیدِ جامد کے تالے پڑ گئے۔ نتیجہ یہ کہ دنیا کہیں سے کہیں جا پہنچی اور یہ اُمت جسے نوعِ انسان کی امامت و لیڈرشپ کے لئے پیدا کیا گیا تھا، وہیں کھڑی ہے جہاں ہزار برس پہلے تھی۔ ہمارے زمانے میں اس جمود اور تقلید نے صورتِ حالات کو بڑا ہی نازک بنا دیا ہے۔ ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہر بات کو دلیل وبرہان کی رو سے ماننا چاہتا ہے لیکن ہماری قدامت پسند مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ان کا اطمینان نہیں کرایا جاتا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نوجوان طبقہ ہر بات کو بلا دلیل وبرہان، اسی طرح مانتا چلا جائے جس طرح یہ ان سے منوانا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح ماننے پر آمادہ نہیں۔ نتیجہ یہ کہ یہ طبقہ مذہب سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ متنفر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قدامت پرست طبقہ کو اس پر غصہ آتا ہے اور بجائے اس کے کہ سوچے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ وہ انہیں ملحد، بے دین، مغرب زدہ فرنگی مآب، بلکہ مرتد اور کافر قرار دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حالات کسی قوم کے لئے بھی خوش آئند نہیں ہو سکتی اور اس قوم (ملتِ اسلامیہ) کیلئے تو کسی طریق سے بھی قابلِ برداشت قرار نہیں دی جا سکتی جس کی بنیاد ہی دین پر ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ہمارا مذہب پرست طبقہ اس کا قطعی احساس نہیں کرتا اور ابھی تک اسی روش پر چلے جانے پر مصر ہے کہ جہاں کسی نے کوئی ایسی بات کی جو ان کے خیال سے مختلف ہو، اسے کافر اور مرتد قرار دے دیا! کس قدر تاسف انگیز ہے یہ صورتِ حالات!!

خاتمۂ کلام

قتلِ مرتد کے متعلق مودودی صاحب کے خیالات اور دلائل آپ کے سامنے آچکے۔ ان کے خلاف قرآن کریم کے متعلقہ مقامات بھی آپ دیکھ چکے۔ ان کی روشنی میں آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ کیا قرآن کریم کی رو سے ایک مسلمان کے لئے

تبدیلیٔ مذہب سزائے موت کا مستوجب ہوتی ہے اور کیا قرآن کا یہی منشا ہے کہ ایسے لوگوں کو جن کا دل اسلامی آئیڈیالوجی سے مطمئن نہ ہو موت کے ڈر سے باندھ کر مسلمان بنائے رکھا جائے؟ اگر آپ سمجھتے ہوں کہ قرآن کا فی الواقعہ یہ فیصلہ اور ایسا منشا نہیں تو پھر سوچئے کہ کیا وہ روایات جن کی بنا پر قتل مرتد کی ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہیں یا نہیں۔

اس کے بعد اس پر غور فرمایئے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور مولوی صاحبان (اور ان کے نمائندہ مودودی صاحب) کیا کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسی روایات جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہوں، قطعاً رسول اللہؐ کے ارشادات نہیں ہو سکتے اسلئے کہ ہمارے نزدیک اس امر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) رسول اللہؐ کوئی ایسی بات کہہ یا کر سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو۔

لیکن اس کے برعکس مولوی صاحبان (اور ان کے ترجمان مودودی صاحب) کا ارشاد ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم وہی ہے جو ان روایات کے اندر ہے۔

اس کے بعد خیال فرمایئے کہ ہمارا وہ کونسا جرم ہے جس کی پاداش میں ہمیں گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جا رہا ہے اور طلوع اسلام کے پیش کردہ مسلک کو دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ بتایا جاتا ہے؟

یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد ذرا اس پر غور فرمایئے کہ اگر خدانکردہ ملک میں وہ "نظامِ شریعت" رائج ہو گیا جس کے قیام کیلئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کوشاں ہے اور اس طرح تنفیذِ امورِ شریعت کی آڑ میں زمامِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو پاکستان میں بسنے والوں کا کیا حشر ہو گا اور دنیا کس قسم کے اسلام کا تماشا دیکھے گی۔ کیا یہ اسلام اسی روحِ فرعونیت کا "مقدس پیکر" نہیں ہو گا جو ہر اس شخص کے خلاف جو اس سے ذرا سا بھی اختلاف رکھے، یہ کہہ کر فتویٔ موت صادر کر دیتی تھی کہ

امنتم بہ قبل ان اٰذن لکم۔ — کیا تم نے ہماری اجازت کے بغیر ہی اپنا مذہب تبدیل کر لیا
(اور موسیٰؑ پر ایمان لے آئے)

اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ "قتل مرتد" کا مطلب یہی نہیں کہ اگر ایک مسلمان ہندو یا عیسائی ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق "علماء حضرات" کہدیں کہ اس کے عقائد درست نہیں ہیں اور وہ اس طرح "کافر" ہو گیا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ ہماری تاریخ میں ایسے واقعات بہت کم ملیں گے کہ کسی نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہو اور اسے قتل کر دیا گیا ہو۔ لیکن ایسے واقعات سے ساری تاریخ بھری پڑی ہے کہ جس شخص، یا فرقہ کے متعلق کہدیا گیا کہ اس کے عقائد درست نہیں، اس شخص یا فرقہ سے متعلق ہزاروں افراد کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔ ہماری تاریخ میں اس حکم کا نفاذ عملاً ہوا ہی ان مسلمانوں پر ہے جو خدا، رسول، قرآن، آخرت وغیرہ سب باتوں کے قائل تھے۔ لیکن کسی جزئی سے مسئلہ میں علماء حضرات سے اختلاف رکھتے تھے، یہ صورتِ حالات کس قدر خطرناک ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک وضاحت

ہم آخر میں، ایک بار پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے اس بحث میں مودودی صاحب کا نام خاص طور پر اس لئے لیا ہے کہ انہوں نے "قتل مرتد" کے موضوع پر خاص طور پر کتاب شائع کی ہے۔ ورنہ ہمارے

تمام علمائے کرام کا یہی عقیدہ ہے کہ

(۱) جو شخص کسی چھوٹے سے چھوٹے عقیدہ میں بھی ان سے اختلاف رکھے وہ مرتد ہے۔ اور

(۲) مرتد کی سزا قتل ہے!۔

اس لئے اس ضمن میں سوال زید بکر یا عمر کا نہیں۔ اصل سوال اس غلط تصور کا ہے جو بدقسمتی سے ہمارے ہاں صدیوں سے مروج چلا آرہا ہے۔ جب تک اس غلط تصور کو قرآن کریم کے مطابق صحیح نہیں کر لیا جاتا، اصلاح حال کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھئے! قرآن کریم دنیا میں فکر اور آرائ خیالات اور عقائد کی آزادی کا سب سے بڑا حامی ہے اور وہ اپنی کوئی بات کسی سے بہ جبر نہیں منوانا چاہتا۔ نہ وہ کسی کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے۔ اور نہ وہ کسی کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ اگر وہ کسی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ خیالات اور عقائد کی آزادی کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کرتا ہے۔ "فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر" (جس کا جی چاہے ایمان لائے۔ جس کا جی چاہے انکار کرے) اس کا بنیادی منشور ہے۔

تبصرہ

مندرجہ بالا مضمون پر علامہ اسلم جیراجپوری نے حسب ذیل تبصرہ ارقام فرمایا۔

> قتلِ مرتد پر مضمون بسیط اور مدلل ہے۔ مجھے بہت پسند آیا۔ امیر جماعت اسلامی کے قرآن سے قتلِ مرتد پر استدلال سے مجھے ان کی بے علمی پر سخت افسوس ہوا۔ یہ جماعت بس نیم ملاؤں کی ایک مذہبی بازی گری ہے۔ تعجب ہے کہ ان کی سمجھ میں "حکومتِ الٰہی" تو آتی ہے مگر "دینِ الٰہی" نہیں آتا۔

ہمارا خیال ہے کہ (سابقہ) اسلامی جماعت پر اس سے زیادہ جامع اور بلیغ تبصرہ شاید ہی ہو سکے۔ علامہ اسلم کی تحریر کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ سورج کی بکھری ہوئی شعاعوں کو سمیٹ کر آتشیں شیشے کے مرکزی نقطہ سے گذار دیتے تھے۔ کس قدر مختصر لیکن جامع اور صحیح تھا ان کا یہ مطالعہ کہ

ان کی سمجھ میں حکومتِ الٰہی تو آتی ہے مگر
دینِ الٰہی نہیں آتا!

قتلِ مرتد

(علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ العالی)

[قتل مرتد کے متعلق مبسوط مقالہ طلوع اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ علامہ اسلم جیراجپوری کا زیر نظر مضمون رسالہ جامعہ بابت اکتوبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔ ہم اس کا وہ حصہ حذف کر کے جس کا تعلق قادیانیت سے تھا، باقی مضمون شائع کرتے ہیں۔ طلوع اسلام]

جامعہ کے گزشتہ پرچہ میں کابل میں ایک مرزائی کے سنگسار کرنے کی بابت ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس پر ہمارے رسالہ کے بعض ناظرین نے اس مسئلہ کے متعلق "ہمارا خیال" دریافت کیا ہے۔ اس لئے ہم ضرورت سمجھتے ہیں کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کر دیں۔ اس کے لئے ہم کو سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھنا چاہئے کیونکہ وہی شریعت کا منبع اور اسلامی قوانین کا سرچشمہ ہے۔ قرآن نے نہایت صاف لفظوں میں یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

ہر مرد فرد اپنی اپنی نجات کا ذمہ دار ہے اور اس کو کامل آزادی ہے کہ اپنا ذریعۂ نجات تلاش کرے۔ اس کی اس حریت کو غصب کرنیکا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اور اس معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں ہو سکتا۔ خود مرتد کے متعلق سورۂ بقرہ میں ہے۔

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

تم میں سے جو اپنے دین سے پلٹ جائیگا اور کفر کی حالت میں مرجائیگا تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہوئے۔

یہاں اللہ نے مرتد کا نتیجہ اور انجام بیان کر دیا لیکن اس کو قتل کر دینے کا حکم دیا نہ کسی کو یہ حق بخشا بلکہ اس کو اپنی موت سے مرنے کی مہلت دی۔ سورۂ مائدہ میں بھی ارتداد کا ذکر کیا اور وہاں بھی کوئی سزا نہیں بتائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا تو اللہ ایسے لوگوں کو لائیگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہونگے۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ کوئی مرتد ہو جایا کرے ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا

جو الٹے پیروں لوٹ جائیگا وہ اللہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ سورۂ مائدہ میں اس اصول کی تصریح کردی کہ کوئی گمراہ ہوجایا کرے تمہیں اس کی کیا پڑی ہے۔ تم صرف اپنے نفس کی خبر رکھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

مسلمانو! تم اپنے نفس کی فکر رکھو۔ جب تم راہ راست پر رہو گے تو جو گمراہ ہوجائیگا وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ایک نہیں ہزار مرتد ہوجائیں اللہ بے نیاز ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

اگر تم کافر ہوجاؤ اور وہ سب لوگ جو زمین پر ہیں پھر بھی اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

سورۂ نساء میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا

جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے۔ پھر کفر میں بڑھتے گئے تو اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو بخشیگا، ان کو سیدھی راہ دکھائے گا۔

اس میں کسی سزا یا قتل کی اجازت مطلقاً نہیں دی ہے۔ اور اگر قتل کی سزا ہوتی تو ایک بار کا فر ہونے کے بعد پھر ایمان اور پھر کفر کا موقع کہاں ملتا۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم جس نے قاتل کا قصاص، باغی، ڈاکو، چور، زناکار اور اس کے جھوٹے گواہوں کے حدود، یہانتک کہ ظہار اور یمین کے کفارے بھی بیان کردیئے وہ مرتد کی اس عظیم الشان سزا یعنی قتل اور حال کے فتووں کے مطابق سنگساری کے ذکر سے کیوں خاموش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے دین کے معاملہ میں ہر شخص کو حریت کامل عطا فرمائی ہے اور کسی کے عقیدہ پر جبر کرنے کی مطلق اجازت نہیں دی ہے۔ کیونکہ دنیا میں یہی سب سے بڑا ظلم ہے۔ سورۂ یونس میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔

جو تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے سارے آدمی ایمان لاتے۔ کیا لوگوں پر تو زبردستی کرے گا کہ وہ مومن ہوجائیں۔

سورۂ کہف میں نہایت بلند آہنگی سے اعلان ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔

کہدے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا۔ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر بنے۔

اسی مضمون کو سورۂ یونس میں اور زیادہ واضح کردیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا۔

کہدے کہ لوگو! تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا۔ جو ہدایت اختیار کریگا وہ اپنے لئے اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنے لئے۔

قرآن کی تعلیمات سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اسی بات پر جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ دینی عقیدے پر جبر

نہ ہونے دیں۔ سورۂ بقرہ اور انفال دونوں میں حکم موجود ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ

اور کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو۔

فتنے کے معنی ہیں سونے یا چاندی کو آگ میں جلا کر کھرا کھوٹا الگ کرنا مفردات میں راغب اصفہانی نے یہی معنی لکھے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اس لئے ستانا کہ وہ اپنے عقیدے سے باز آجائے جیسے کفار مکہ مسلمانوں کو ستاتے تھے۔ یہ جبر قرآن کے نزدیک قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ اور عقیدے پر جبر قتل سے بھی سنگین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان کے ساتھ لڑو تاکہ اس قسم کا فتنہ باقی نہ رہے اور لوگ خالص اللہ کے لئے دین اختیار کریں نہ کہ کسی چیز کے خوف سے۔

اس لحاظ سے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس فتنۂ جبر کو دنیا سے مٹائیں نہ کہ اسے خود ہی اس کو قائم کریں۔ اور قرآن جس بت کے توڑنے کا حکم دیتا ہے اسی بت کو خود پوجنے لگیں۔ کیونکہ عقیدہ پر اگر جبر باقی رہا تو تبلیغ محال ہوگی۔ اس لئے کہ جملہ قومیں اور اہل مذاہب اپنے اپنے یہاں قتل مرتد کا قانون بنالیں گے پھر اس وقت کسی شخص کا کسی مذہب سے نکل کر دین حق میں داخل ہونا موت کے مرادف ہوگا۔ اور تبلیغ دین بغیر خونریزی کے اور کچھ نہ رہ جائے گی۔ اور اس کا سب سے زیادہ نقصان اسلام کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ وہی سب سے بڑا تبلیغی دین ہے۔ جب قرآن کریم بالتصریح ہر شخص کو دین کے معاملہ میں آزادی دیتا ہے اور محض تبدیل مذہب پر کسی قسم کی دنیاوی سزا نہیں مقرر کرتا تو یقیناً احادیث صحیحہ اس کے خلاف نہیں جاسکتیں۔ ان میں جن لوگوں کے قتل کردینے کا حکم دیا گیا ہے وہ دراصل سیاسی مجرم ہیں نہ کہ دینی۔ بخاری شریف میں روایت ہے۔

من بدل دینہ فاقتلوہ

جو اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کو راوی نے مجمل اور مبہم بیان کیا ہے۔ اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو کافر مسلمان ہوجائے اس کو بھی قتل کردو۔ اس لئے یہ کسی قانون کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔ اسی کتاب میں دوسری حدیث اس سے مفصل ہے۔

لایحل دم امرء مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلث۔ النفس بالنفس۔ والثیب الزانی والمارق عن الدین التارک للجماعۃ

مرد مسلمان جو کلمۂ شہادت پڑھتا ہے اس کا خون حلال نہیں ہے بجز ان تین وجوہات کے۔ جان کے بدلے جان، شادی شدہ زناکار اور دین سے خارج ہونے والا جو جماعت کو چھوڑ دے۔

اب بحث یہ رہ جاتی ہے کہ مروق عن الدین اور ترک جماعت کا مفہوم اور اس کے حدود کی تعیین کیا ہے۔ مروق عن الدین خود بخاری ہی میں آنحضرتؐ سے خوارج کے متعلق منقول ہے جنھوں نے امت کے ساتھ جدال وقتال عام شروع کردی تھی اس لئے اس کا مفہوم بجز جماعت مسلمین سے بغاوت اور محاربہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے۔

لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض

میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

یعنی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی گردن مارنا یہی کفر کی طرف لوٹنا اور ارتداد ہے۔ اس لئے مروق عن الدین اور تارک للجماعۃ سے بجز ان لوگوں کے جو جماعت مسلمین کے ساتھ آمادۂ قتال ہو جائیں اور کوئی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ وہ خواہ دین سے مرتد ہوں یا پابند اسلام لیکن قتل کئے جائیں گے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ خوارج اسلامی عقائد میں نہایت پختہ اور زہد و عبادت میں اقران سے فائق تھے لیکن باوجود اس کے خلفاء وقت ان سے جہاد کرتے رہے کیونکہ وہ محارب تھے۔ مگر جو شخص صرف دین کو چھوڑے نہ جنگ کرے نہ دنیا میں فساد پھیلائے وہ اس ذیل میں نہیں آسکتا۔

صحاح میں جسقدر حدیثیں اس مضمون کی ہیں گو ان کے الفاظ رواۃ کی زبان سے مختلف ہو گئے ہیں لیکن مطلب ہر ایک کا یہی ہے دراصل یہ سب کی سب اس آیت کے ذیل میں آتی ہیں۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا الآیہ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں انکی سزا یہ ہے کہ مار ڈالے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے فتنۂ ردت میں جو جہاد کی تھی وہ بھی اسی بنیاد پر تھی۔ کیونکہ مرتد قبائل جنگ کے لئے تیار اور مسلح ہو گئے تھے۔ اور بعض بعض نے حوالی مدینہ پر حملے بھی شروع کر دیئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے مرکز کو توڑ دیں تاکہ ہم سے کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہ رہے ان کا جرم سراسر سیاسی تھا اور وہ اللہ اور رسول سے باغی اور محارب تھے اسلئے ان کے مقابلہ میں جہاد لازمی تھی۔

دوسرا امر بحث طلب مرتد کی تعریف ہے۔ مرتد دراصل صرف وہ شخص ہے جو خود اپنی زبان سے کہدے کہ میں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا دوسرے کسی شخص یا کسی جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو کافر یا مرتد کہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ قرآن میں ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا - الآیہ

جو تم کو سلام کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔

ورنہ دنیا میں ایک مسلمان بھی مرتد ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر ایک اسلامی فرقہ دوسرے مسلمان فرقوں کو گمراہ اور باطل پرست سمجھتا ہے ایسی حالت میں ہر مسلم بجز اپنی جماعت کے دوسروں کے نزدیک مرتد قرار پائے گا۔